نماز......نظم وضبط کا درس

ہر کام جو منظّم اور مرتب انداز میں انجام پائے وہ نتیجہ خیز اور خاطر خواہ فوائد کا حامل ہوتا ہے، دین اسلام کی تمام عبادات اور شعائر اس بات کا بین ثبوت ہیں۔

عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز ہے جو نظم وضبط کا خوبصورت اور مکمل ترین مرقع ہے۔ نماز کا بروقت قیام اور ایک امام کی قدم بہ قدم پیروی میں اس کی ادائیگی اور اسی طرح قیام صلوٰۃ کا مخصوص طریقہ ہمارے لیے نظم ونسق کا بے پناہ درس لیے ہوئے ہے۔ گویا نماز کی ادائیگی سے ہمیں جہاں اس کے بنیادی مقاصد پورے کرنے کی طرف متوجہ ہونا چاہیے وہاں مذکورالصدر ثانوی مقصد کو نظر انداز کرنا کسی طور سے روا نہیں ہے جبکہ یہ ہمارے کل معاملاتِ زندگی میں بنیادی اہمیت کا حامل اور کامیابی کی ضمانت ہے، پس ایک طرح سے ہمارا یہ دینی اور ملی فریضہ ٹھہرتا ہے کہ ہر کام کو انجام دیتے وقت ہم خود کو تنظیمی ضابطے کا پابند رکھیں اور نظم وضبط کو کسی صورت فراموش نہ ہونے دیں۔

کام چھوٹا گناہ بڑا

۱۔تکبر کرنا:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر .))

(صحيح مسلم، رقم الحديث : ٩١)

''جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

دوسری روایت میں ہے:

ولكن الكبر: بطر الحق وغمط الناس . (أبوداود، رقم الحديث: ٤٠٩٢)

''لیکن تکبر یہ ہے:حق بات کوٹھکرا دینا اور دوسروں کو حقیر جاننا۔''

۲۔فحش گوئی (بد خلقی):

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن شر الناس منزلة عند الله يوم القيامة من ودعه أو تركه الناس اتقاء فحشه .))

(صحيح بخاري، رقم الحديث : ٦١٣١، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٥٩١)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص سب سے بُرا ہے جسے لوگ بد خلقی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔''

۳۔جھوٹ بولنا:

حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے باپ اور دادا کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ويل للذي يحدث بالحديث ليضحك به القوم فيكذب ، ويل له ، ويل له .))

(سنن أبي داود، رقم الحديث: ٤٩٩٠)

''اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو جھوٹی باتیں کہہ کر لوگوں کو ہنسائے، اُس کے لیے ہلاکت ہے پھر اس کے لیے ہلاکت ہے۔''

۴۔جاسوسی کرنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ومن استمع إلى حديث قوم وهم له كارهون ، أو يفرون منه صب في أذنه الآنك يوم القيامة .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٧٠٤٢)

''جو شخص دوسرے لوگوں کی بات سننے کے لیے کان لگائے جو اسے پسند نہیں کرتے یا اس سے بھاگتے ہیں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔''

(عبدالرحیم بلتستانی)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

10 ربیع الاوّل 1433ھ جمعۃ المبارک 03 تا 09 فروری 2012ء

شمارہ 05 جلد 64

جواھر پارے	نماز......نظم وضبط کا درس		
کلمہ طیبہ	کام چھوٹا گناہ بڑا		
اداریہ	تسلسل	(حافظ احمد شاکر)	2
درس قرآن	تفسیر سورۂ یٰس......(۸)	(مولانا ارشاد الحق اثری)	4
درس حدیث	توفیق الباری	(حافظ محمد اشرف سعید)	7
افتاء	چند مسائل وراثت و نمازِ جنازہ	(مفتی عبید اللہ خان عفیف)	8
آثار حنیف بھوجیانی	جرعات......(۵)	(مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی)	12
تحقیق وتنقید	جشن عید میلاد......(۲)	(مفتی عبید اللہ خان عفیف)	14
تحقیق وتنقید	مسئلہ ایصالِ ثواب کا تحقیقی جائزہ	(حافظ صلاح الدین یوسف)	21
تحقیق وتنقید	صحیح مسلم کی ایک حدیث میں......(۱)	(مولانا عبد الرحمن ضیاء)	28
شعر وادب	جان پہچان	(شورش کاشمیری)	

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر : 042-3735 4406
فیکس نمبر : 042-37229802
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12
E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال
		-/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

تسلسل

حافظ احمد شاکر

گزشتہ دنوں قذافی سٹیڈیم کے دائیں بائیں کسی ہال میں اباحیت پسندوں نے ایک مخلوط محفل موسیقی کا اہتمام کیا تھا جس کے ختم ہونے پر ایسا ہنگامۂ ہاؤ ہو بپا ہوا اور ایسی بھگدڑ مچی کہ محفل میں شریک بہت سی خواتین زخمی ہوگئیں اور چند ایک تو جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اس حادثے کی تفصیلات جب اخبارات کے ذریعے عوام تک پہنچیں تو شرفاء اس سے لرز اٹھے۔ اور اس میوزک کنسرن میں شامل گویوں ...... جن کو آرٹسٹ کہا جاتا ہے ...... اور اس کے منتظمین کو ہدف تنقید بلکہ ہدف ملامت بنانا شروع کر دیا کہ نظریہ پاکستان ...... اگر کوئی ہے تو ...... کا یہی تقاضا تھا۔ اسی غمزدہ، افسردہ اور سوگوار فضا سے متاثر ہو کر پنجاب اسمبلی میں ق لیگ کے ایک رکن اسمبلی سمیل کامران نے ایسی محافل موسیقی پر پابندی لگانے کی قرارداد اسمبلی میں پیش کردی جس میں ''اہل ذوق'' نے ''قابل اعتراض'' کا پیوند لگا کر (یعنی رخنہ رکھ کر) اسے تعلیمی اداروں میں منعقد نہ کرنے کی منظوری کے ساتھ منظور کر لیا۔ اس وقت اس قرارداد کی ن لیگ کے علاوہ پی۔پی کے اراکین نے بھی تائید کی تھی۔

یہ قرارداد منظور ہونا تھی کہ پرائیویٹ ٹی وی چینلز ...... جو نا مشرف دور کی باقیات السیئات ہیں ...... کی اکثریت نے ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ یہ نوجوانوں کے بنیادی حقوق پہ پابندی ہے۔ اباحیت پسند میڈیا نے اس کو اتنا اچھالا کہ پی۔پی اور ن لیگ کے تائید کنندہ ممبران کو بھی اس کی تائید سے دستبردار ہونا پڑا بلکہ ہم خوش فہموں کے لیے صدمے کی بات یہ ہوئی کہ دیندار ماضی کے حامل شریف خاندان کے سپوت کی حکومت نے بھی اس قرارداد سے لاتعلق ہونے کا اعلان کر کے اپنی جان بلکہ اپنی حکومت کے لیے امان پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عذابِ الٰہی کو دعوت دینے والی قوی بدنصیبی کی بات یہ ہوئی کہ دین سے منسوب درہم و دینار کے بعض بندوں نے اس کی حرمت کو حلت میں بدلنے کے لیے اس طبقے کو شرعی دلائل مہیا کر کے ''اللہ کی آیات کو دنیا کی تھوڑی سی قیمت میں بیچنے'' کی آیات قرآنیہ کی حقانیت ثابت کر دی۔

پاکستان میں سرگرم ایک مخصوص طبقہ 'جس کو ایک خاص میڈیا گروپ کا بھرپور تعاون حاصل ہے' نے بھارت، جی ہاں اسی بھارت کو جہاں اب تک لاکھوں مسلمان جرم اسلام میں قتل کیے جا چکے ہیں، جہاں بابری مسجد شہید کی جا چکی ہے اور جس کی پورے خطے کو اکھنڈ بھارت بنانے کی خواہش چھپائے نہیں چھپتی۔ اُس بھارت کے ساتھ پیار کی پینگیں بڑھانے اور محبت کے ڈول ڈالنے کے لیے بہت بے تاب و بے قرار ہو کر ''امن کی آشا'' کے نام سے مخصوص ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک عرصہ سے بھرپور لابنگ کر رہا ہے، اب اس نے ''فتح سروں کی اور جیت سنگیت کی'' کے نام سے ساز و آواز کی ایک مہلک تحریک شروع کر رکھی ہے جس کو پہلے تفریح کہا جاتا تھا پھر ثقافت کا نام دیا جاتا رہا۔ اب اس کو نوجوانوں کے حقوق کا نام دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ موسیقی عیسائیوں کی عبادت کا حصہ ہے یا پھر ساز و آواز ہندوؤں کی عبادت کا مظہر ہے۔ اسلام نے موسیقی موسیقار اور آلات موسیقی کو قیامت کی نشانیوں میں سے گردانا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے احادیث:

۱: ابو مالک اشعری اور ابو عامر رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو شرمگاہ (یعنی زنا) ریشم، شراب اور آلات موسیقی کو حلال کر لیں گے۔''

(صحیح بخاری شریف، حدیث نمبر: ۵۵۹۰)

نا مشرف دور حکومت میں حقوق خواتین کا بل کیا تھا؟ کیا اس بل کے ذریعے قرب قیامت کی اس اہم علامت کے لیے فضا سازگار نہیں کی گئی؟

حقوق خواتین نامی بل منظور ہونے سے قبل ایک اہم دینی جماعت کے سیاسی راہ نمانے پاکستان کے مسلمانوں سے کوئی وعدہ کیا تھا؟ کیا انہوں نے وعدہ پورا کیا؟ ریشم کے حرام ہونے کا تو اب کوئی ذکر ہی نہیں کرتا، شراب تو لائسنس کے ذریعے عرصہ سے جائز کی جا چکی ہے۔ اب رہے آلات موسیقی تو پہلے ان کے ذریعے ناچ گانے کو تفریح کہا جاتا تھا پھر ثقافت کہا جانے لگا اب بدنصیبی بایں جا رسید کہ باحیت پسند طبقہ اس کو بنیادی حق کہنے لگا ہے۔

۲: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے ربّ نے مجھ پر شراب، جوئے اور ڈھول کو حرام ٹھہرایا ہے اور ہر نشہ آور چیز بھی حرام ہے۔''

ڈھول کی تھاپ پر مسرت کے موقع پر ناچنے کودنے کو بھنگڑا کا نام دیا گیا اور عرسوں کے موقع پر عقیدت کے نام پر اس کو دھمال کہا جائے گا دھمال اور معاذ اللہ میلا دالنبی کے نام پر جلوسوں میں ڈھول کی تھاپ پر رقص کو بھی کوئی معیوب نہیں سمجھتا۔ حالانکہ ڈھول کی تھاپ اور اس کے متعلقہ ہر فعل خالص شیطانی فعل ہے۔

امام طبرانی نے قیس کی ایک روایت عبدالکریم الجزری کے واسطے سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

۳: ''میری امت میں پتھروں کی بارش، شکلیں مسخ ہونے اور زمین میں دھنسنے کے واقعات رونما ہوں گے۔ آپ سے سوال کیا گیا یا رسول اللہ ایسے کب ہوگا؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) جب باجوں اور گانے والی عورتوں کا رواج عام ہو جائے گا اور شراب عام ہو جائے گی۔'' (سنن ترمذي، رقم الحديث: ۲۲۱۲)

۲۰۰۵ء کے زلزلہ میں کیا عمارتوں کی عمارتیں زمین بوس نہیں ہوئیں، کیا بعض جگہ ایسے واقعات نہیں ہوئے کہ زمین پھٹ گئی اور کئی کئی منزلہ ہوٹل زمین میں دھنس گئے۔ کیا دو پہاڑوں نے مل کر اپنے درمیان کی بستی کو نابود نہیں کیا؟ ہم یعنی ہمارے حکمران، سائنس دان اور دانشور اس کی سائنسی اور زمین کی حرکت کی وجوہات ہی تلاش نہیں کرتے رہے! یعنی کسی حکمران، سیاستدان اور سائنس دان نے ان آفات ومصائب کو عذاب الٰہی جانا؟

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ حدیث کی معروف کتاب مستدرک حاکم کی جلد نمبر ۴ اور صفحہ نمبر ۵۱۵ میں یہ روایت درج ہے کہ

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا ایک گروہ شراب وکباب میں رات گزارے گا پھر صبح کو وہ بندر اور خنزیر بن چکے ہوں گے (یہ سزا انھیں) اس لیے (ملے گی) کہ انھوں نے شراب پینے، سود کھانے، گانے بجانے اور گانے والیاں (عورتیں) رکھنے، ریشم پہننے اور رشتہ داریاں توڑنے کو حلال کر لیا ہوگا۔''

مذکورہ بالا احادیث پڑھیے اور امن کی آشا کے پرچار کر اخبار کی نئی شدنی ''فتح سروں کی جیت سنگیت کی'' کا پروپیگنڈا دیکھیے اور وطن عزیز پر آزمائشوں اور ابتلاؤں کا طومار دیکھیے۔ اور پھر یہ ہماری جرأت گناہ ملاحظہ کریں کہ ہم (لڑکوں لڑکیوں کی) نوجوان نسل کو ان محافل لہو ولعب میں شرکت کی ترغیب ہی نہیں جیتنے کی انگیخت بھی دے رہے ہیں اور کوئی سیاسی ومذہبی جماعت یا ان کا کوئی قائد اس کے خلاف کسی ردعمل کا اظہار نہیں کر رہا۔

اگر چہ حسب ضرورت ہی سہی لیکن سچ کہتے ہیں بعض...... خصوصاً محروم اقتدار...... سیاستدان کہ موجودہ حکومت ناشرف دور ہی کا تسلسل ہے۔ لال مسجد کے سانحہ اور جامعہ حفصہ پر ظلم وستم کے علاوہ نصاب تعلیم میں آیاتِ قرآنیہ خصوصاً جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع والی آیات کو اس دور میں نہیں نکالا گیا؟ جواب تک جوں کی توں ہے۔ کیا بعض تعلیمی اداروں میں موسیقی کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز بھی اسی دور میں نہیں ہوا؟ پر تعلیمی اداروں میں جنسی تعلیم کا شور بھی ان دنوں اٹھا تھا جس پر ابھی تک عمل درآمد ہونے کا ہمیں تو علم نہ ہوسکا۔ اسی طرح سود کی سلامائیزیشن کا عمل شر بھی اسی دور نا مسعود کی یادگار ہے جس کو فقہیان شہر نے سودی اداروں کے ساتھ قرض کے لین دین کے جواز کو باب الحیل سے دلائل بھی اسی طرح مہیا کر دیے جس طرح دلدادگان موسیقی کو حدیث شریف کے بغیر قرآنِ حکیم سمجھنے کے دعویداروں نے اس کا جواز مہیا کرنے کی سعی نا مشکور کی تھی۔

درس قرآن

قسط نمبر ۸

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ [یس: ٤]

''سیدھی راہ پر ہے۔''

یہ دوسرا مقسم علیہ ہے اور ایک کے بعد دوسری خبر ہے، یعنی حکمت بھرے قرآن کی قسم، آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں، صراطِ مستقیم پر ہیں۔ اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ [الشوری: ٤٢]

''اور بلاشبہ تُو سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔''

نیز یہ بھی فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ [المؤمنون: ٧٣]

''بے شک تُو یقیناً انھیں سیدھے راستے کی طرف بلاتا ہے۔''

''مستقیم'' اس سیدھے راستے کو کہتے ہیں جو منزل مقصود تک قریب سے قریب راستے سے پہنچا دے۔ منزل مقصود اللہ کا قرب اور اس کی رضا اور جنت ہے۔ اس کے حصول کا وہی راستہ ''صراطِ مستقیم'' ہے جس کی راہنمائی رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔

اسی ''صراطِ مستقیم'' کا ذکر اسی سورۂ یس میں یوں بیان ہوا ہے:

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○﴾ [یٰس: ٦٠، ٦١]

''کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی اے اولادِ آدم کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنھیں اولادِ آدم کی کثیر تعداد معبود بنا کر ان کی پرستش میں مصروف ہے، انھوں نے فرمایا تھا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ﴾ [آلِ عمران: ٥١]

''بے شک اللہ ہی میرا ربّ ہے اور تمھارا ربّ ہے، پس اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعوت سورۃ الزخرف (آیت: ۶۴) اور سورۂ مریم (آیت: ۳۶) میں بھی بیان ہوئی ہے۔ اسی حقیقت کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ [آلِ عمران: ١٠١]

''اور جو شخص اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لے تو یقیناً اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی گئی۔''

سورۂ انعام میں شرک کی ممانعت کے علاوہ مزید چند احکام کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے یہ اعلان کروایا ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ [الأنعام: ١٥٣]

''اور یہ کہ بے شک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔''

ان آیات میں بیان ہونے والے احکام ہی صراطِ مستقیم نہیں بلکہ پورا اسلام صراطِ مستقیم ہے جیسا کہ اس سے پہلے اسلام ہی کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ﴾ [الأنعام: ١٢٦]

''اور یہ (اسلام) تمھارے رب کا راستہ ہے سیدھا، بے

شک ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''

توحید خالص اور اسلام کی پیروی ہی صراطِ مستقیم ہے جس کی طلب ہر مسلمان اپنی نمازوں میں کرتا ہے:

﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾

توحید کی بجائے شرک اور اسلام کی بجائے کسی اور نظام کی پیروی باطل اور سراسر گمراہی ہے، ایسا کرنا اللہ کی رضا کی بجائے اللہ کے غضب اور جہنم جانے کا باعث ہے۔ (أعاذنا الله منه)

صراطِ مستقیم:

''صراطِ مستقیم'' کے بارے میں سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن عباس اور جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: اس سے اسلام مراد ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد حق کی پیروی ہے۔ بعض نے کہا ہے: اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ یہ سب اقوال صحیح اور باہم متلازم ہیں۔ جو اسلام کی اتباع کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے، اور جو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرتا ہے وہ حق ہی کی پیروی کرتا ہے، اور جو حق کی پیروی کرتا ہے وہ اسلام کی ہی پیروی کرتا ہے، اور جو اسلام کا پیروکار ہے وہ قرآن کا پیروکار ہے، لہٰذا ان اقوال میں کوئی منافات نہیں۔ (ابن کثیر: ۱/ ۵۱)

''صراطِ مستقیم'' صرف ایک خط ہوتا ہے جو دو خطوں یا لفظوں کو ملانے کے لیے قریب سے قریب تر ہو، سیدھا ہو اور ٹیڑھا نہ ہو۔ بندۂ مومن اور اس کے معبود و مقصودِ حقیقی کے مابین واسطہ یہی ''صراطِ مستقیم''، یعنی اسلام (قرآن وحدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اس سے ہٹ کر جو بھی ''صراط'' ہے وہ ''صراطِ مستقیم'' نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((تركت فيكم أمرين، لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنة رسوله.))

(موطأ، مستدرك حاكم: ۱/ ۹۳، السلسلة الصحيحة)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، جب تک ان دونوں کو تھامے رکھو گے ہرگز تم گمراہ نہیں ہو گے، (ایک) کتاب اللہ (قرآنِ حکیم) اور (دوسری) اللہ کے رسول کی سنت۔''

یہی دونوں چیزیں اسلام کا اصل الاصول ہیں۔ انھی دونوں میں ہدایت وراہنمائی ہے، انھی کے ساتھ تمسک میں نجات ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا، پھر فرمایا:

''یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا راستہ ہے''، پھر اس کے دائیں اور بائیں کچھ خط کھینچے، پھر فرمایا: ''یہ راستے ہیں۔ ان میں سے ہر راستے پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ [الأنعام: ۱۵۳]

''بے شک یہی میرا راستہ ہے سیدھا پس اس پر چلو۔''

(أحمد: ۱/ ٤٦٥)

اس سیدھے راستے کے علاوہ دوسرے ٹیڑھے راستوں پر نہ چلو، یہ شیطان کے راستے ہیں، یہ شرک وبدعت اور ضلالت کے راستے ہیں۔ جنت کا اور راہِ حق کا ایک یہی سیدھا راستہ ہے اور وہی میرا راستہ ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے کہ فرشتے خواب میں آئے اور باہم کہنے لگے: اس صاحب کی ایک مثال ہے، ان کے سامنے وہ مثال بیان کرو۔ دوسرے فرشتوں نے کہا: یہ تو سوئے ہوئے ہیں۔ اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوتی ہیں مگر دل بیدار ہے، چنانچہ انھوں نے کہا: ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے گھر بنایا، اس میں دسترخواں بچھایا اور ایک بلانے اور پکار لگانے والے کو بھیجا۔ لہٰذا جو داعی کی آواز پر لبیک کہے گا وہ اس گھر میں داخل ہو کر دسترخواں سے کھائے پیے گا، اور جو اس کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا وہ محروم رہ جائے گا۔ بعض نے کہا: اس مثال کی ان کے لیے وضاحت کرو تو بعض نے کہا: یہ تو سو رہے ہیں اور بعض نے کہا: آنکھیں سو

رہی ہیں دل بیدار ہے، چنانچہ انھوں نے کہا: گھر سے مراد جنت ہے اور داعی محمد ﷺ ہیں:

"فمن أطاع محمدا فقد أطاع الله، ومن عصى محمدا فقد عصى الله، ومحمد فرق بين الناس." (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٧٢٨١)

''پس جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، محمد ﷺ لوگوں کے مابین فرق کرنے والے ہیں۔''

گویا مومن وکافر کا فرق آپ ﷺ کی بدولت ہے۔ کسی کام کے مشروع وغیر مشروع، جائز وناجائز اور صحیح وغلط ہونے کا معیار آپ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے بعد پہلی شرائع منسوخ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت موقوف ہوچکی ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((والذي نفس محمد بيده لو بدأ لكم موسى فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل، ولو كان حيا وأدرك نبوتي لاتبعني.)) (سنن دارمي، ص: ١١٥، ١١٦)

''مجھے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر تمھارے لیے موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوجائیں، پھر تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرو تو تم سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے، اور اگر وہ زندہ ہوں اور میری نبوت کو پالیں تو وہ میری ہی اتباع کریں گے۔''

اسی لیے تو سید الطائفہ جنید بغدادی نے فرمایا ہے:

"الطرق كلها مسدودة على الخلق إلا من اقتفى أثر رسول الله ﷺ." (الحلية: ١٠/ ٢٥٧، الفقيه والمتفقه: ١/ ١٥٠ وغيرهما)

''مخلوق پر تمام راستے مسدود ہوگئے ہیں سوائے اس کے جو رسول اللہ ﷺ کی ہی اتباع کرے۔''

اس لیے صراطِ مستقیم، وہی ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی، جس پر آپ ﷺ نے عمل کیا اور جس کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیروی کی۔ یہی اسلام ہے اور اسی کا نام قرآن وحدیث کی اطاعت وفرمانبرداری ہے۔

صراطِ مستقیم کو قرآنِ مجید میں "طريق مستقيم"، "سواء السبيل"، "الصراط السوي" بھی کہا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صراطِ مستقیم پر چلنے کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بنایا تو سر اوپر اور پاؤں زمین پر، وہ اسی طرح پاؤں کے بل چلتا ہے۔ اللہ نے آنکھیں دی ہیں دیکھنے کے لیے، وہ دیکھ کر سیدھا اور اپنے آپ کو بچا کے چلتا ہے۔ یہی انسان کی سیدھی چال ہے۔ مگر اس کے باوجود جو الٹا سر کے بل چلے گا تو یہ اس کی الٹی چال ہوگی، ارشاد فرمایا:

﴿ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [الملك: ٢٢]

''تو کیا وہ شخص جو اپنے منہ کے بل الٹا ہو کر چلتا ہے ہدایت والا ہے؟ یا جو سیدھا ہو کر درست راستے پر چلتا ہے (وہ ہدایت والا ہے؟)''

جس طرح ہدایت اور درستگی کی راہ یہی ہے کہ سیدھا ہو کر چلا جائے، اسی طرح وہی ہدایت پر ہے جو اسلام کو ماننے والا اور قرآن وسنت کا متبع ہے۔ قرآن وحدیث سے ہٹ کر ہر چال الٹی ہے اور سراسر گمراہی ہے۔

امام رازی نے یہاں یہ لطیف بات بھی فرمائی ہے کہ اس سے اباحت پسندوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ راہ سلوک میں جب انسان "واصل إلى الحق" ہوجاتا ہے تو اس سے عمل کی تکلیف ختم ہوجاتی ہے کیونکہ اسے منزل مقصود حاصل ہوجاتی ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں ہمیشہ آخری دم تک صراطِ مستقیم پر چلتے رہے ہیں اور اسی راہ کے راہی اور راہ رَو رہے ہیں تو یہ جاہل کیسے اپنے بارے میں سمجھ لیتے ہیں کہ ہم اب تکلیف کے دائرے سے نکل گئے ہیں! (التفسير الكبير)

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: إذا قام ثم رجع إلى مجلسه

جب کوئی مجلس سے اٹھ کر جائے تو پھر واپس آنے کی صورت میں اپنی جگہ کا وہی زیادہ حقدار ہے

١١٧١ . عن أبي هريرة، عن النبي ﷺ: ((إذا قام أحدكم من مجلسه ثم رجع إليه فهو أحق به.)) (صحيح مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی شخص کسی مجلس سے اٹھ کر جائے، پھر واپس آئے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔"

باب: الجلوس على الطريق

راستے میں انتظار کے لیے بیٹھنا

١١٧٢ . عن أنس: أتانا رسول الله ﷺ ونحن صبيان، فسلم علينا وأرسلني في حاجة وجلس في الطريق ينتظرني حتى رجعت إليه، قال: فأبطأت على أم سليم فقالت: ما حبسك؟ فقلت: بعثني النبي ﷺ في حاجة، قالت: ما هي؟ قلت: إنها سر. قالت: فاحفظ سر رسول الله ﷺ. (صحيح مسلم)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم بچوں کے پاس تشریف لائے ہمیں سلام کیا اور مجھے کسی ایک کام کے لیے کہیں بھیج دیا اور خود راستے میں بیٹھ کر میرا انتظار فرمانے لگے، چنانچہ میں آپ ﷺ کے پاس واپس لوٹ آیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں اپنی والدہ امّ سلیم کے پاس دیر سے آیا تو انھوں نے اتنی دیر ہونے کی وجہ پوچھی، میں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کے لیے بھیجا تھا۔ وہ کہنے لگیں: وہ کیا کام تھا؟ میں نے کہا: یہ راز کی بات ہے۔ وہ کہنے لگیں: چلو ٹھیک ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے راز کو راز ہی رہنے دو۔"

باب: التوسع في المجلس

مجلس میں کشادگی اختیار کرنا

١١٧٣ . عن ابن عمر قال: قال النبي ﷺ: ((لا يقيمن أحدكم الرجل من مجلسه ثم يجلس فيه، ولكن تفسحوا وتوسعوا.)) (صحيح بخاري)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں خود نہ بیٹھ جائے، تم لوگ کھلے کھلے بیٹھا کرو۔"

باب: يجلس الرجل حيث انتهى

مجلس میں آدمی کو جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جائے

١١٧٤ . عن جابر بن سمرة قال: كنا إذا أتينا النبي ﷺ جلس أحدنا حيث انتهى.

"حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس جاتے تو جسے جہاں جگہ ملتی وہاں بیٹھ جاتا۔"

افتاء

(۱)......سقوطِ حمل؟ (۲)......جدہ (دادی، نانی) کا حق وراثت؟ (۳)......میت کے قرض کی ادائیگی؟
(۴)......مورث کی زندگی میں وارث اگر فوت ہو جائے؟ (۵)......چار ماہ سے زائد بچے کی نمازِ جنازہ؟
(۶)......مرزائی کی نمازِ جنازہ پڑھنا؟ (۷)......مساجد میں نمازِ جنازہ کا اعلان؟

مفتی عبید اللہ خان عفیف حفظہ اللہ

سوال: ایک کنواری پاگل لڑکی سے کسی نے زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہوگئی اور والدین کو اس وقت پتا چلا جب حمل واضح ہوگیا۔ اب اس کے والدین اس کا حمل ضائع کرنے کی فکر میں ہیں۔ کیا اس ناجائز حمل کا اسقاط جائز ہے؟ (محمد ظفر، چاہ میراں، لاہور)

جواب: خواہ حمل ناجائز ہو یا جائز جب اس میں جان پڑ چکی ہو اس کا اسقاط ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر حمل ساقط کرائیں گے تو ایک جان کے قتل کے مرتکب ہوں گے، ترمذی میں حدیث ہے:

"عن عمران بن حصين أن امرأة من جهينة اعترفت عند النبي ﷺ بالزنا فقالت: إني حبلى، فدعى النبي ﷺ وليها فقال: ((أحسن إليها، فإذا وضعت حملها فأخبرني)) ففعل فأمر بها فشدت عليها ثيابها ثم أمر برجمها فرجمت ثم صلى عليها...... إلخ." (سنن ترمذي مع تحفة الأحوذي: ۲/ ۳۲۵ وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح)

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک (غامدیہ) عورت نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ حاملہ ہے تو آپ ﷺ نے اس کے ولی کو بلا کر حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے (یعنی کوئی رشتہ دار از راہ غیرت اس پر تعدی نہ کرے۔) جب وہ بچہ جن لے تو مجھے اطلاع کر دینا۔ بچے کی ولادت کے بعد اس نے آپ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب اس کو رجم کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ناجائز حمل کا اسقاط ہرگز جائز نہیں۔ اور اس حدیث صحیح سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرجوم (یعنی جسے سنگسار کیا گیا ہو) کا جنازہ پڑھنا چاہیے۔ حافظ عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں:

"هذا نص صريح في أنه صلى الله عليه وسلم على الغامدية." (تحفة الأحوذي: ۲/ ۳۲۵)

بہرحال شرعاً از راہ غیرت ناجائز حمل گرانا بے گناہ جان کا قتل ناحق ہے، اور قتل ناحق کی شناعت معلوم ہے۔ هذا ما عندي والله تعالى أعلم.

سوال: کیا یہ واقعہ صحیح ہے کہ ایک دادی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے پوتے کے ترکے میں سے اپنا شرعی حصہ طلب کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے علم کے مطابق کتاب وسنت میں تیرے حصے کا کوئی ذکر نہیں تاہم میں دوسرے لوگوں سے پوچھوں گا، لہٰذا پھر آنا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر ایک صحابی نے بتایا کہ دادی کا چھٹا حصہ ہے۔ کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ اور بتانے والے صحابی کون تھے؟ اور واقعہ کون سی کتاب میں ہے؟ (حافظ محمد یونس، شاہ کوٹ، ضلع ننکانہ)

جواب: یہ واقعہ صحیح ہے، چنانچہ جامع ترمذی میں ہے:

"عن قبيصة بن ذؤيب قال: جاءت الجدة إلى أبي بكر فسألته ميراثها قال: فقال لها: مالك في كتاب الله شيء ومالك في سنة رسول الله ﷺ شيء فارجعي حتى أسئل الناس فسأل

الناس فقال المغيرة بن شعبة: حضَرْتُ رسول الله ﷺ فأعطاها السدس فقال أبوبكر: هل معك غيرك؟ فقام محمد بن مسلمة الأنصاري فقال مثل ما قال المغيرة بن شعبة فأنفذه لها أبوبكر . قال: ثم جاء ت الجدة الأخرىٰ إلىٰ عمر بن الخطاب ت سأله ميراثها فقال: مالك في كتاب الله شيء ولكن هو ذاك السدسُ فإن اجتمعتما فيه فهو بينكما وأيتكما خلت به فهو لها ." وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح وهو أصح من حديث ابن عيينة .
(تحفة الأحوذي: ٣/ ١٨١ مگر یہ حدیث مرسل ہے۔)

"ایک جدہ (نانی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اپنے نواسے کے ترکے سے اپنے حصے کا سوال کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: کتاب وسنت میں مجھے تیرے حصے کا علم نہیں، فی الحال واپس چلی جائیں تاکہ میں لوگوں سے پوچھ لوں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے جدہ کو چھٹا حصہ دیا تھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کہا: آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی وہ کچھ کہا جو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا تو ابوبکر نے اسی کے مطابق فیصلہ کردیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دادی پوتے کے ترکے سے اپنا حصہ لینے کے لیے حاضر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں فرمایا: کتاب اللہ میں تم دونوں کا وہی ایک چھٹا حصہ ہے، جب تم دونوں اکٹھیں آتیں اور تم دونوں میں سے جو پہلے جائے تو وہ اسی کے لیے ہے۔"

یہ مسئلہ جامع ترمذی، ابوداود اور نسائی میں مروی ہے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسئلہ بتانے والے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ (تحفة الأحوذي: ٣/ ١٨١)

سوال: میرے والد صاحب میری شادی سے دس دن پہلے فوت ہوگئے تھے اور میری شادی کے اخراجات کا انتظام اُنھوں نے خود کیا تھا جو ادھار پر مبنی تھا۔ جس میں چار تولے طلائی زیور اور ۸۰ ہزار روپے نقدی کی صورت میں تھے۔ اب ان کے ترکے میں سے اُن کے قرض کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کی ذمہ داری صرف میرے اکیلے پر ہے یا کہ سب بہن بھائیوں؟

(محمد انوار الحق، نارووال)

الجواب بعون الوهاب: بشرط صحت سوال واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے میت کے تمام ورثاء کو حکم دیا ہے کہ جائیداد تقسیم کرنے سے پہلے اگر میت پر قرض ہو تو پہلے قرض ادا کیا جائے اور قرض کے بعد اگر وصیت ہو تو اس پر عمل کیا جائے، لہٰذا تجہیز وتکفین کے اخراجات، قرض کی ادائیگی اور وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو بچے وہ ورثاء پر ﴿للذكر مثل حظ الانثيين﴾ (ایک مذکر کے لیے دو مؤنثوں کے حصے کے برابر) کے اصول پر تقسیم کیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حصہ داروں کے حصے بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْدَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ [النساء: ١١]

"یعنی میت کی وصیت کو پورا کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد سب حصے (حصہ داروں میں) تقسیم کیے جائیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پہلے فوت شدہ کا قرض ادا کیا جائے۔ آپ کے والد کے قرض کی ادائیگی اس کے جمیع ترکے سے فرض ہے، اور تمام ورثاء کی شرعی ذمہ داری ہے۔ اور یہ حکم تمام ورثاء کو ہے اگرچہ قرض کا ذکر وصیت پر عمل درآمد کے بعد ہے مگر قرض مقدم ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں حدیث ہے:

"عن علي رضى الله عنه قال: إنكم تقرون هذه الاية: ﴿من بعد وصية توصون بها أو دين﴾

وأن رسول الله ﷺ قضى بالدين قبل الوصية ."

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم یہ آیت پڑھتے ہو: ''حصے میت کی وصیت پر عمل درآمد کے بعد یا قرض کی ادائیگی کے بعد تقسیم کیے جائیں'' جبکہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے''

اس حدیث کا راوی حارث اگرچہ ضعیف ہے مگر:

كان حافظا للفرائض ومعتنيا بها وبالحساب وقد قال النسائي لا بأس به ." (تحفة الأحوذي شرح الترمذي: ٣/ ١٧٩ وتفسير ابن كثير، سورة النساء، تحت رقم الآية: ١١)

حافظ دارقطنی نے یہ روایت حارث اعور کی بجائے ''عاصم بن ضمرہ عن علیؓ'' کی سند سے ذکر کی ہے۔

شیخ محمد عبدہ الفلاح فرماتے ہیں: قرآن میں گو قرض کا ذکر وصیت کے بعد ہے مگر سلف وخلف کا اس پر اجماع ہے کہ ادائے قرض وصیت پر مقدم ہے۔ (اشرف الحواشی، ص: ۹۵، ۹۶)

قرآن کی آیت ﴿من بعد وصية يوصى بها اودين﴾ میں تمام ورثاء کو حکم ہے، لہٰذا والد مرحوم کا قرض ادا کرنا تمام وارثوں پر فرض ہے کیونکہ وہ اتنا اتنا سونا اور رقم دوسرے بیٹوں کی شادیوں پر بھی خرچ کر چکا ہے، لہٰذا اکیلے سائل انوار الحق پر تمام قرض کی ادائیگی کا بوجھ ڈالنا قرآنِ مجید کی مخالفت اور سراسر ظلم ہے اور ظلم کا انجام معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب وسنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سوال: اگر ماں کی زندگی میں ان کی ایک بیٹی وفات پا جائے تو کیا اس کی اولاد بھی ماں کے ترکے میں سے حصے دار ہے یا نہیں؟

(انوار الحق، نارووال)

الجواب بعون الوهاب: واضح رہے کہ قانونِ وراثت میت کے چھوڑے ہوئے ترکے میں چلتا ہے اور وارث کے لیے میت کی وفات کے وقت زندہ ہونا شرعاً شرط ہے۔

مصر کے مشہور عالم اور محقق سیّد محمد سابق فرماتے ہیں کہ وراثت کے قانون میں ضروری ہے کہ وارث مورث کی موت کے وقت زندہ ہو، الفاظ یہ ہیں:

"حياة الوارث بعد موت المورث ."

(فقه السنة: ٣/ ٤٢٧)

''مورث کی موت کے وقت وارث کا ہونا شرط ہے۔''

قرآنِ مجید میں بھی ﴿ما ترك﴾ اور ﴿مما ترك﴾ کے الفاظ وارد ہیں کہ مرنے والا جو چھوڑ جائے۔ لہٰذا جو بیٹی اپنی والدہ کی حیات میں فوت ہو چکی ہے وہ شرعاً وارث نہیں اور جو موت کے وقت وارث زندہ تھے وہی وارث اور حصے دار ہیں۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب في يوم الحساب

سوال: چار ماہ سے زائد مردے بچے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ (حاجی بشیر احمد مغل ٹھیکیدار، تاج پورہ روڈ، لاہور)

الجواب بعون الوهاب: اس کے بارے میں دو قول ہیں:

قول اوّل یہ ہے کہ جب بچہ چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ اس کی شقاوت اور سعادت، اس کی عمر اور رزق بھی لکھ دیا جاتا ہے گویا وہ مکمل نسمہ بن جاتا ہے چونکہ وہ والدہ کے پیٹ میں زندہ رہتا ہے، لہٰذا مردہ پیدا ہونے کی صورت میں اس کا جنازہ پڑھا جائے گا خواہ وہ ولادت کے بعد نہ روئے اور نہ چیخ مارے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تابعین میں سے امام محمد بن سیرین، امام سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء میں سے امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اسی قول کے قائل ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔

وإليه ذهب العترة . (نيل الأوطار: ٦/ ٤٦)

قول ثانی یہ ہے کہ اگر پیدا ہونے والے بچے نے پیدائش کے بعد چیخ نہیں ماری یا نہیں رویا تو اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إذا استهل ورث وصلى عليه ."
(تحفة الأحوذي: ٢/ ١٤٥)
''جب بچہ بعد از ولادت چیخے یا روئے تو وہ وارث ہوگا اور اس کا جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔''
حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
"إذا استهل صلى عليه وإن لم يستهل لم يصل عليه ." (تحفة الأحوذي: ٢/ ١٤٥)
''جب بچہ بعد از پیدائش چیخ مارے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ورنہ نہیں۔''
اگرچہ اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے مگر یہ ان کا وہم ہے۔ اصحاب الرائے (حنفیہ)، امام مالک، امام شافعی اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ حافظ عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے۔ امام شوکانی کے نزدیک بھی یہی حق ہے، فرماتے ہیں:
"وظاهر حديث الاستهلال أنه لا يصلى عليه وهو الحق لأن الاستهلال يدل على وجود الحياة قبل خروج السقط كما يدل على وجودها بعده فاعتبار الاستهلال من الشارع دليل على أن الحياة بعد الخروج من البطن معتبرة في مشروعية الصلاة على الطفل وأنه لا يكتفي بمجرد العلم بحياته في البطن فقط ." (نيل الأوطار: ٤/ ٤٦)
''حدیثِ استہلال کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حق یہی ہے کہ اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے کیونکہ استہلال جس طرح بعد از پیدائش حیات کی دلیل ہے بعینہٖ ماں کے پیٹ میں بھی اس کی زندگی کی دلیل ہے، پس شارع کا استہلال کو معتبر جاننا دلیل ہے کہ بعد از ولادت بچے کا زندہ ہونا ضروری ہے، ورنہ جنازہ پڑھنا کوئی ضروری ہے۔''
تاہم اگر کوئی استہلال کے بغیر جنازہ پڑھتا ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ هذا ما عندي والله تعالى أعلم بالصواب

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس بارے میں کہ کچھ مسلمان عمداً ایک جدی پشتی شیعہ کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں تو کیا ان کے اس فعل سے ان کے ایمان واسلام پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ اور صرف دنیوی تعلقات کی وجہ سے ان کے جنازے میں شرکت کرنا شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟ اور ان کے ایسا کرنے سے ان کے نکاح پر بھی اثر پڑے گا یا نہیں؟ کیونکہ کچھ لوگ کہتے ہی کہ ان کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں۔ براہِ کرم اس کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمائیں۔

الجواب بعون الوهاب: بعض شیعہ کافر نہیں، یعنی جو سبی نہیں۔ ان کے جنازے میں شرکت سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر جو سبی ہیں ان کے جنازہ میں شرکت سے ایمان کا نقصان ہے۔ اگر وہ شیعہ سبی تھا اور جنازے میں شرکت کرنے والوں نے علم کے باوجود جنازہ پڑھا ہے تو ان کے نکاح ٹوٹ چکے ہیں، لہٰذا ان کو سچی توبہ کرکے از سرنو نکاح پڑھنے ہوں گے۔ هذا ما عندي

سوال: کیا شیعہ کی نماز جنازہ کا اعلان مساجد میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمائیں۔
(محمد قاسم، محلّہ فاروقیہ، حیدری چوک، نارنگ منڈی، ضلع شیخوپورہ، تحصیل مریدکے)

الجواب بعون الوهاب: شیعہ تو رہے ایک طرف، ان کو چھوڑو، میرے نزدیک کسی مخلص سنی کے جنازے کا اعلان بھی ہرگز جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((إن المساجد لم تبن لهٰذا .))
''مسجدیں اعلانات کے لیے نہیں بنائی جاتیں۔''
یہ تو اللہ کی عبادت اور ذکر واذکار کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسجدوں میں کسی مسلمان کے جنازے کا اعلان جائز نہیں۔ هذا ما عندي والله تعالى أعلم



آثارِ حنیف بھوجیانیؒ

(۵)

جرعات

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے ماہنامہ رحیق کا اجرا کر کے جہاں اسلاف ...... ماہنامہ اشاعۃ السنۃ، ماہنامہ ضیاء السنۃ ...... کی یاد تازہ کی تھی، وہاں جماعت کی علمی تاریخ میں ایک گراں قدر اضافہ بھی فرمایا تھا۔ جماعتی وغیر جماعتی احباب نے اس کاوش کو کس جذبے سے خوش آمدید کہا، کس قدر پذیرائی فرمائی اور مولانا رحمہ اللہ کے مقام علم وفضل کا کس فراخ دلی سے اعتراف فرما کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی مخدومنا حضرت مولانا محمد داود غزنوی رحمہ اللہ کے ارشادات عالیہ اس کا مظہر ہیں جو حضرت رحمہ اللہ نے ''رحیق'' کی توسیع اشاعت کی غرض سے جماعت کے لیے ارشاد فرمائے تھے۔ ان ارشادات کو مدیر ''رحیق'' نے ادارتی صفحات میں اس لیے شائع کیا کہ ''كلام الملوك ملوك الكلام'' کا اقتضا یہی تھا۔ (احمد شاکر)

(۶)

عرصے سے ایک ایسے دینی اور علمی ماہوار مجلّے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی جو محدثین کرام کے مسلک کے مطابق علومِ کتاب وسنت کی ترویج واشاعت کا ایک باقاعدہ سلسلہ ہو۔ خدا بھلا کرے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کا جنھوں نے اس ضرورت کا احساس کیا اور ''رحیق'' کے نام سے ایک علمی وتبلیغی ماہنامہ جاری کر دیا۔

مولانا عطاء اللہ صاحب ہماری جماعت کے ان مقتدر علماء میں سے ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں علوم کتاب وسنت کی تدریس وتبلیغ کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔ مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ذہن ثاقب اور روشن ضمیر حاصل ہے، اور علماء سلف کی کتابوں کا مطالعے کا اس درجہ ذوق وشوق ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ وہ اس باب میں ممتاز مقام رکھتے ہیں تو یقیناً مبالغہ نہ ہوگا۔ وہ اپنے پہلو میں حساس اور دردمند دل رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کی بے راہ روی، الحاد پسندی اور سنت سنیہ مرضیہ کے مقابلے میں رسوم جاہلیت اور بدعات کی مقبولیت کو دیکھ کر وہ ایک مومن صادق کی طرح بے چین اور مضطرب ہو جاتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً ایسا لٹریچر شائع کرتے رہتے ہیں جس سے دین قیم کی اشاعت ہو اور سلف صالح کا طریقہ مرضیہ مسلمانوں کے پیش نظر رہے تاکہ وہ اس دورِ ظلمات میں چراغِ راہ ثابت ہو۔

آج ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں ہمیں یہ خطرہ نہیں کہ عیسائی مشنریوں کے حملے یا آریہ سماجی پرچارکوں کی دریدہ ذہنی سے مسلمانوں کے عقائد وایمانیات ضائع ہو جائیں گے یا وہ اسلام صبغۃ اللہ کو ترک کر کے عیسائیت کا بپتسمہ لے لیں گے یا وہ چوٹی رکھ کر جینو پہن لیں گے اور ہون یاترا کریں گے۔ آج ملک وملت کو جس چیز کا خطرہ ہے وہ یہ ہے کہ تمام وہ رسوم جاہلیت، فسق وفجور، فواحش وبدعات اور منکرات جنھیں اسلام ختم کرنے اور دنیا سے نیست ونابود کرنے کے لیے آیا تھا وہ اسلام، ثقافت اسلام اور ری کنسٹرکشن آف اسلام (تجدید اسلام) کے نام سے جاری کیے جائیں گے اور جو آواز اس کے خلاف اٹھے گی اسے الحاد پسند پریس اور حکومت کے اثر واقتدار کے ذریعے ملا ازم کا نام دے کر دبا دی جائے گی۔

یہ ہے سب سے بڑا فتنہ جس کا احساس ہر دینی رجحان رکھنے والے فرد اور جماعت کو بے چین کر دیتا ہے ؏

فليبك على الإسلام من كان باكيا

میں کہاں سے وہ صور اسرافیل لاؤں جس کی آواز سے خوابیدہ دلوں کی بستیوں کو جگا دوں اور انھیں خبردار کروں کہ باہر سے کوئی دشمن تمھاری بستیوں کو تاخت وتاراج کرنے کے لیے حملہ آور نہیں ہو رہا ہے خود تمھارے اندر اسلامی نام رکھنے والے، اسلام کا لبادہ پہننے والے بلکہ تجدید اسلام کا دم بھرنے والے تمھارے دین ومذہب کو اس طرح مسخ کرنے کا عزم کر چکے ہیں جس طرح یہود ونصاریٰ نے اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لیے یہودیت اور عیسائیت کو مسخ کیا تھا۔ آج یہ دشمن سنت رسول اللہ علی صاحبھا الف الف

تحیة وسلام کو عجمی سازش کا نام دے کر مسلمانوں کے دلوں سے اس کی عظمت زائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور سنت کے خلاف ایسی مسموم فضا پیدا کر کے قرآنِ حکیم کو اپنی خواہشات نفسانی کا، العیاذ باللہ، تختۂ مشق بنانا چاہتا ہے۔ بزرگانِ سلف کے کارناموں کو خاک میں ملا کر اپنی امام واجتہاد کی مسند بچھانا چاہتا ہے اور اس طرح سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت، معروف کو منکر اور منکر کو معروف، حسنہ کو سیئہ اور سیئہ کو حسنہ، شرک کو توحید اور توحید کو شرک، متدین کو ذلیل اور فساق وفجار کو معزز بنانا چاہتا ہے۔

آج وہی زمانہ ہے جس کی خبر اُس صادق ومصدوق ﷺ نے دی تھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے راوی ہیں:

((سيجيء أقوام في آخر الزمن وجوههم وجوه الآدميين وقلوبهم قلوب الشياطين أمثال الذياب الضواری ليس في قلوبهم شيء من الرحمة . الأمر فيهم بالمعروف متهم ، والمؤمن فيهم مستضعف ، والفاسق فيهم مشرف ، السنة فيهم بدعة ، والبدعة فيهم سنة فعند ذلك يسلط الله عليهم شرارهم فيدعوا خيارهم فلا يستجاب لهم .)) مختصرا

(المعجم الصغير للطبراني، ص: ۱۸۱)

''آخر زمانے میں ایسے لوگ برسر اقتدار آئیں گے جن کے چہرے بشرے انسانوں کے سے ہوں گے لیکن ان کے دل شیطانوں کے سے ہوں گے۔ وہ بید کے بھیڑیوں کی طرح ہوں گے۔ رحم کا نام ونشان ان کے دلوں میں نہ ہوگا۔ نیکی کی بات کہنے والا ان کے نزدیک معیوب ومتہم ہوگا۔ مومن ان میں کمزور وحقیر اور فاسق ان میں معزز سمجھا جائے گا۔ سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت سمجھا جائے گا۔ ان حالات میں بدترین لوگوں کا اقتدار ہوگا۔ نیک لوگ دعائیں مانگیں گے مگر ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت حاصل نہ ہوگا۔''

پس مبارک اور سعید ہیں وہ لوگ جو اس صورتِ حال سے متاثر ہو کر امر بالمعروف نہی عن المنکر اور فواحش ومنکرات کے انسداد اور احیاء سنت واماتت بدعت اور رسومِ جاہلیت کے خلاف جہاد کے لیے کمر بستہ ہوجائیں اور علوم کتاب وسنت کی ترویج کے لیے مستعد ہوجائیں۔ لومۃ لائم کی پروا کیے بغیر توحید ربّ العالمین وسنت سیّد المرسلین کی اشاعت اور طریقہ مرضیہ سلف صالحین کے قیام کے لیے ساعی وکوشاں ہوں اور سیّد البشر وخاتم الرسل کی اس دعا کے مستحق ہوں، فرمایا:

((رحمة الله على خلفائي ، رحمة الله على خلفائي ، رحمة الله على خلفائي)) ، قالوا: ومن خلفاء ك يا رسول الله ﷺ؟ قال: ((الذين يحيون سنتي ويعلمونها عباد الله .))

(جامع بيان العلم لابن عبد البر، ص: ۲٤)

''خدا کی رحمت ہو میرے نائبوں پر، خدا کی رحمت ہو میرے نائبوں پر، خدا کی رحمت ہو میرے نائبوں پر۔'' صحابہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے نائب کون ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو میری سنت کو زندہ کریں گے اور اللہ کے بندوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔''

مولانا عطاء اللہ صاحب ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ نا مساعد حالات کے باوجود علوم کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت اور اس دور بدعت والحاد میں احیاء دین اور اماتت جاہلیت کے لیے کمر بستہ ہوگئے ہیں اور اس مقصد عزیز کے لیے ماہنامہ ''رحیق'' کا اجرا کر چکے ہیں۔ تمام رفقاء، احباب، مخلصین اور دردمندانِ اسلام سے استدعا کرتا ہوں کہ مولانا عطاء اللہ صاحب کا ہاتھ بٹائیں اور اس نیک کام میں ان کی اعانت کریں۔ اہل علم حضرات اپنے علم وفضل کے ذریعے اور اہل خیر اور مشتاقانِ علوم نبویہ ماہنامہ ''رحیق'' کا حلقہ اشاعت وسیع کرنے میں سعی بلیغ فرمائیں۔ راہ کی دوری اور سفر کی صعوبتوں سے گھبرانا نہیں چاہیے، ہمیں اپنا فرض ادا کرنا چاہیے، نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے ؎

با بندگاں عبودیت شعاریم ——— با فتح وشکست کار نداریم

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ۲

جشن عید میلاد ...... کتاب وسنت کی روشنی میں

مفتی عبید اللہ خان عفیف حفظہ اللہ

بدعت کی لغوی اور شرعی تعریف:

اب لگے ہاتھوں بدعت کی لغوی اور شرعی تعریف بھی ملاحظہ فرماتے جائیں۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی (متوفی ۸۱۶ھ) لفظ بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"بدعة بالكسرة، الحدث في الدين بعد الإكمال، أو ما استحدث بعد النبي ﷺ من الأهواء والأعمال." (قاموس: ۲/۴)

''بدعت، با مکسورہ کے ساتھ، ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو تکمیل دین کے بعد نکالی گئی ہو یا وہ چیز جو نبی ﷺ کے بعد نفسانی خواہشات اور اعمال کی شکل میں ظہور پذیر ہو۔''

امام محمد بن ابوبکر الرازی اپنی کتاب ''مختار الصحاح'' میں لفظ بدعت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والبدعة الحدث في الدين بعد الإكمال."

(ص: ۲۸۰)

''بدعت اکمال دین کے بعد اس میں احداث (نئی رسم نکالنے) کا نام ہے۔''

مولانا وحید الزماں قاسمی قیرانوی حنفی بدعت کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''بدعت: کسی نمونے کے بغیر بنی ہوئی۔''

(قاموس الوحید، ص: ۱۵۳)

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی (المتوفی ۶۷۶) رقم طراز ہیں:

"هي كل شيء عمل على غير مثال سابق."

(شرح مسلم: ۱/ ۲۸۵)

یعنی ہر وہ چیز جو کسی سابق نمونے کے بغیر تیار کی جائے۔

امام ابواسحاق شاطبی (المتوفی ۷۹۰ھ) بدعت کی لغوی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"وأصل مادة "بدع" للاختراع على غير مثال سابق، ومنه قول الله تعالىٰ ﴿بديع السموات والارض﴾ [البقرة: ۱۱۷] أي مخترعها من غير مثال سابق متقدم، وقوله تعالىٰ ﴿قل ما كنت بدعا من الرسل﴾ [الإحقاف: ۹] أي ما كنت أوّل من جآء بالرسالة من الله إلى العباد بل تقدمني كثير من الرسل، ويقال: ابتدع فلان بدعة، يعني ابتدأ طريقة لم يسبقه إليها سابق." (الاعتصام: ۱/ ۳۶)

''اصل مادہ اس کا ''بدع'' ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی سابق نمونے کے بغیر کسی چیز کا ایجاد کرنا۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بديع السموات والارض﴾ یعنی آسمانوں اور زمین کو کسی سابق نمونے کے بغیر پیدا کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿قل ما كنت بدعا من الرسل﴾ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت لے کر آنے والا پہلا آدمی نہیں بلکہ مجھ سے پہلے بھی بہت سے نبی تشریف لا چکے ہیں۔ اسی طرح جب کہا جاتا ہے: ابتدع فلان بدعة اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایسا طریقہ شروع کیا جس کی طرف پہلے کسی آدمی نے سبقت نہیں کی۔''

امام مجد الدین فیروز آبادی، علامہ محمد بن ابوبکر رازی، امام نووی

اور امام ابواسحاق شاطبی وغیرہم ائمہ لغت کی تعریفات سے واضح ہوا کہ بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کو ایجاد کرنا جس کی مثال یا نمونہ پہلے موجود نہ ہو۔

بدعت کی شرعی تعریف:

امام ابواسحاق شاطبی بدعت کی شرعی تعریف یوں ارقام فرماتے ہیں:

"طريقة في الدين مخترعة تضاهي الشرعية يقصد بالسلوك عليها المبالغة فى التعبد لله سبحانه وتعالىٰ." (الاعتصام: ۱/ ۱۹)

یعنی دین اسلام میں ایسا نو ایجاد طریقہ جو سنت کے مشابہ ہو اور اس پر عمل کرنے سے اللہ کی عبادت میں مبالغہ مقصود ہو۔''

علامہ شمنی فرماتے ہیں:

"البدعة ما أحدث على خلاف الحق المتلقى على رسول الله ﷺ من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة أو استحسان وجعل دينا قويماً وصراطاً مستقيما."

(الإبداع في مضار الابتداع، ص: ۲٦)

''بدعت وہ نو ایجاد رسم ہے جو رسول اللہ ﷺ سے حاصل شدہ صحیح اعتقاد، عمل اور طرز عمل کے برعکس کسی شبہے کی بنیاد پر اچھی جان کر ایجاد کی جائے اور اس کو عین صراطِ مستقیم تصور کرلیا گیا ہو۔''

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

''بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں، خواہ عادت ہو یا عبادت۔ اور معنی شرعی بدعت کے یہ ہیں کہ دین میں کسی کام کا زیادہ کرنا یا کم کرنا جو قرن صحابہ، تابعین کے بعد ہوا ہو اور نبی کریم ﷺ سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو، نہ قولاً نہ فعلاً نہ اشارۃً۔'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۶۴)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) بدعت کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

''دین میں ہر اُس نو ایجاد طریقے کو بدعت کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد اختیار کیا گیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہو، مانع موجود نہ ہو۔ اس کے باوجود وہ طریقہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے ثابت نہ ہو۔''

شیخ فخر الدین الطریحی لکھتے ہیں:

"الحدث في الدين وما ليس له أصل في كتاب وسنة وانما سميت بدعة لأن قائلها ابتدعها هو نفسه." (مجع البحرين: ٤/ ٢٩٨، ٢٩٩)

''بدعت دین میں کسی نو ایجاد چیز کو کہتے ہیں جس کی کتاب وسنت میں اصل نہ ہو اور اس کو بدعت اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے قائل نے اسے بذات خود اختراع کیا ہے۔''

امام زرکشی فرماتے ہیں:

"البدعة في شرع موضوعة للحدث المذموم." (الإبداع في مضار الابتداع، ص: ۳۱)

''شرع میں ہر اُس نو ایجاد کو کہتے ہیں جو شرعاً قابل مذمت ہو۔''

شریف جرجانی اپنی کتاب ''التعریفات'' میں لکھتے ہیں:

"البدعة هي الأمر المحدث الذي لم يكن عليه الصحابة والتابعون ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعي." (الإبداع، ص: ۲۱)

''بدعت سے مراد وہ نیا عمل ہے کہ نہ تو صحابہ وتابعین کا اس پر عمل ہو اور نہ کوئی شرعی دلیل اس کی متقاضی ہو۔''

امام ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) ارقام فرماتے ہیں:

﴿بديع السموات والارض﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو کسی سابق نمونے کے بغیر پیدا کرنے والا ہے، اور یہی لغوی تقاضا ہے، اس لیے کہ لغت میں ہر نئی چیز کو بدعت کہا جاتا ہے۔''

پھر بدعت کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں:

"والبدعة على قسمين تارة تكون بدعة شرعية كقوله: ((فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة.)) وتارة تكون بدعة لغوية كقول أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه عن جمعه إياهم على صلاة التراويح واستمرارهم: نعمت البدعة هذه." (تفسير ابن کثیر: ۱/ ۱۷۲)

''بدعت کی دوقسمیں ہیں:

۱: بدعت شرعی: جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہرنئی چیز بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۲: بدعت لغوی: امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو ایک امام پر اکٹھا کر کے ہمیشہ با جماعت نماز تراویح کا حکم دے کر یہ فرمانا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔''

امام عبدالرحمٰن بن شہاب، المعروف بابن رجب، رقم طراز ہیں:

"والمراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له فى الشريعة يدل عليه فأما ما كان له أصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعا وإن كان بدعة لغة." (جامع العلوم والحكم: ۲/ ۱۲۷)

''بدعت سے مراد وہ نوایجاد چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہ ہو جو اس پر دلالت کرے، تاہم جس کی شریعت میں کوئی بنیاد (اصل) ہو جو اس پر دلالت کرے وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغت کے اعتبار سے بدعت ہو۔''

ان ائمہ کرام اور علماء کی تصریحات سے پتا چلا کہ ہر وہ نیا کام جسے ثواب اور عبادت سمجھ کر دین میں داخل کرلیا گیا ہو وہ بدعت ہے اور شریعت اسلامیہ کی رو سے مردود ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هي ما لم يكن له أصل في الكتاب والسنة وقيل إظهار شيء لم يكن في عهد رسول الله ﷺ ولا في زمن الصحابة رضي الله عنهم أجمعين." (عمدة القارى شرح صحيح البخاري)

''بدعت دین میں ہر اُس نئے کام کو کہا جاتا ہے جس کا اصل قرآن وحدیث میں موجود نہ ہو۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ بدعت وہ چیز ہے جس کا اظہار رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں نہ ہوا ہو۔''

بدعت کی دلیل:

اب اس بدعت کی دلیل ملاحظہ فرمائیے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي ﷺ: ((من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد.)) (صحيح بخاري: ۱/ ۳۷۱، وصحيح مسلم: ۲/ ۷۷ ومسند أحمد: ۶/ ۷۳، ۲۴۰، ۲۷۰ وعون المعبود: ۴/ ۳۲۹ وابن امجه: ۱/ ۳)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی، جو اس میں نہیں، وہ مردود ہے۔''

صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

((من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد.)) (۲/ ۷۷)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا ہو جس پر ہمارا اَمر نہیں وہ مردود ہے۔''

امام محی السنۃ بغوی نے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے:

عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: ((من أحدث في ديننا ما ليس منه فهو رد.)) (شرح السنة: ۱/ ۲۱۱)

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے بعض الفاظ میں ((في أمرنا هذا)) کی جگہ صریح الفاظ ((في ديننا)) بھی مروی ہیں۔ (جامع العلوم والحكم: ۱/ ۴۲) یعنی اس حدیث میں ((أمرنا)) کی تفسیر ((ديننا)) ہے، یعنی جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں شامل نہیں وہ مردود ہے۔

<u>ہر بدعت گمراہی:</u>

عن جابر بن عبداللہ رضي الله عنه كان رسول الله ﷺ إذا خطب يقول: ((أما بعد، فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة ...... إلخ.)) (صحيح مسلم: ٢٨٤/١ و ٢٨٥ وسنن ابن ماجه: ١/ ٦)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اما بعد کے بعد فرماتے: ''بیشک بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور کاموں میں بدترین کام وہ ہے جو نو ایجاد شدہ ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔''

شیخ سلیم الہلالی سنن دارمی کے حوالے سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"كل بدعة ضلالة وإن رآها الناس حسنة."

(البدع وأثرها السيء في الأمة، ص: ١٤)

''ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اس کو اچھا سمجھیں۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فتوے سے ثابت ہوا کہ لوگوں کی غیر شرعی پسند معتبر نہیں اور نہ دین ہے کیونکہ بدعت دین میں اضافے کے مترادف ہے اور اس کو اچھا جاننا گویا رسول اللہ ﷺ کو خائن قرار دینا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں:

"من ابتدع في الإسلام بدعة ويراها حسنة فقد زعم أن محمداً صلى الله عليه وسلم خان في الرسالة لأن الله يقول: ﴿اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضت لكم الاسلام دينا﴾"

''جو شخص اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس کو اچھا، یعنی کارِ ثواب سمجھتا ہے، وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ (معاذ اللہ) محمد ﷺ نے تبلیغ رسالت میں خیانت کی ہے (یعنی انھوں نے پورا دین بیان نہیں کیا) جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''آج (عرفہ) کے دن میں نے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمھارے اسلام کو بطور دین کے پسند کیا۔''

امام مالک آخر میں بڑے پتے کی بات کہہ گئے ہیں، فرماتے ہیں:

"مالم يكن يومئذ دينا فلا يكون اليوم دينا."

(الاعتصام: ١/ ٣٧)

''جو رسم ورواج رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے عہد میں داخل دین نہ تھا وہ آج بھی دین نہیں بن سکتا۔''

وہ دین اس لیے نہیں بن سکتا کہ اگر وہ نیکی اور کارِ ثواب ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر ضرور عمل پیرا ہوتے اور جو نیکی صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں وہ دراصل نیکی ہی نہیں، وہ بدعت محض اور احداث فی الدین ہے، خواہ بظاہر کتنی ہی دلکش، کتنی ہی حسین اور جاذب نظر کیوں نہ ہو کیونکہ صحابہ کرام نے عبادت واطاعت اور نیکیوں کو سمیٹنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كل عبادة لم يتعبدها أصحاب رسول الله ﷺ فلا تتعبدوها فإن الأول لم يدع للآخر مقالا فاتقوا الله يا معشر المسلمين! خذوا بطريق من كان قبلكم." (الاعتصام للشاطبي: ١/ ٣١)

یعنی ہر وہ عبادت (نیکی وغیرہ) جو صحابہ کرام نے نہیں کی وہ تم بھی نہ کرو کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پچھلوں کے لیے کچھ کہنے یا کچھ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ جس کو بعد والے پورا کریں۔ اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور صحابہ کے طریق کو اختیار کرو اور اسی پر کاربند رہو۔

حضرت ابن عمر، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما اور امام مالک رحمہ اللہ کی تصریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ اسلام میں بدعات،

یعنی نئی نئی رسموں (عید میلاد وغیرہ) کے بیج لگانا اور ان کی ترویج واشاعت ایک ایسا گناہ کبیرہ، ایک ایسا گھناؤنا جرم، ایک ایسی حرکت قبیحہ اور ایک ایسی مجرمانہ جسارت ہے کہ جس کی شناعت اور قباحت کے حسب ذیل ہولناک نتائج برآمد ہوتے ہیں:

ا۔ توبہ قبول نہیں ہوتی: بدعتی کی نہ صرف نماز، روزہ، زکوۃ اور حج و دیگر اعمال اکارت ہوجاتے ہیں بلکہ توبہ بھی قبول نہیں ہوتی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

قال رسول الله ﷺ: ((إن الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة .)) (رواه الطبراني في الأوسط ورجاله رجال الصحيح غير هارون بن موسىٰ الفروي، وهو ثقة، مجمع الزوائد: ١٠/ ١٨٩)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے بدعتی آدمی سے توبہ کو روک دیا ہے۔''

۲۔ بدعتی آدمی رحمت سے محروم ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

"قد حدثني بكلمات أربع قال: فقال: ما هو يا أمير المؤمنين! قال: لعن الله من لعن والده، ولعن الله من ذبح لغير الله، ولعن الله من آوى محدثا، ولعن الله من غير منار الأرض."

(صحيح مسلم: ٢/ ١٦٠ وسنن نسائي: ٢/ ٢٠٢)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے چار باتیں بیان فرمائیں۔ راوی نے پوچھا: امیر المومنین! وہ کون سی چار باتیں ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (١) اللہ کی لعنت ایسے آدمی پر جس نے اپنے والد پر لعنت کی۔ (٢) اللہ کی لعنت پڑے ایسے آدمی پر جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا۔ (٣) اللہ کی لعنت برسے ایسے شخص پر جو بدعتی آدمی کو پناہ دیتا ہے۔ (۴) اللہ کی لعنت برسے اس شخص پر جس نے زمین کی حدود تبدیل کر ڈالیں۔''

عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((المدينة حرم من كذا إلى كذا، لا يقطع شجرها ولا يحدث فيها حدث، من أحدث فيها حدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف ولا عدل.))

(صحيح بخاري: ١/ ٢٥١ و صحيح مسلم: ١/ ٤١١)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک حرم ہے۔ نہ اس کے درخت کاٹے جائیں، نہ اس میں کوئی بدعت ایجاد کی جائے۔ جس کسی نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی تو اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور بنی نوع انسان کی لعنت ہو۔''

"عن علي رضي الله عنه قال: ما عندنا شيء إلا كتاب الله وهذا الصحيفة عن النبي ﷺ. المدينة حرم ما بين عائر إلى كذا، من أحدث حدثا أو آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف ولا عدل...... إلخ" (صحيح بخاري: ١/ ٢٥١، ٤٥١، ١٠٠٠، ١٠٨٦ و صحيح مسلم: ١/ ٤٤٢ وأبوداود، ص: ٢٩٤)

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور نبی ﷺ کے اس صحیفہ کے سوا کچھ موجود نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے مدینے میں بدعت جاری کی یا اس میں کسی بدعتی کو پناہ دی، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ نہ اس کی نفلی عبادت قبول کی جائے گی اور نہ فرضی عبادت۔''

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال

رسول اللہ ﷺ: ((أبى الله أن يقبل عمل صاحب بدعة حتى يدع بدعته .))

(ابن ماجه: ۱/ ٦)

''حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی آدمی کے عمل کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔تاوقتیکہ وہ بدعت کوترک نہ کردے۔''

اگرچہ یہ حدیث متکلم فیہ ہے تاہم حضرت عائشہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی دونوں صحیح احادیث سے اس کوتقویت ملتی ہے۔

بدعتی کے عمل برباد کیوں؟

بدعتی آدمی کا ہر عمل اس لیے برباد اور رائیگاں جاتا ہے کہ وہ دراصل ایجاد بدعت سے یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ العیاذ باللہ ہمارا دین ناقص ہے اور رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ رسالت میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے، نیز صحابہ رضی اللہ عنہم پر عملی کمزوری اور سہل انگاری کی تہمت لگاتا ہے۔جیسے امام مالک رحمہ اللہ کا فتویٰ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يقول في خطبته: ((إن أصدق الحديث كتاب الله وأحسن الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم وشر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار .))

(سنن نسائي: ۱/ ۱۸۸)

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کے خطبے میں فرمایا کہ سب سے سچی حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور سب سے بہترین طریقہ اور سیرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور طریقہ ہے، اور کاموں میں برے ترین کام وہ ہیں جو نئے ایجاد کیے گئے ہوں، اور ہر نیا عمل بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔''

صحیح ابن خزیمہ میں اس طرح ہے:

((كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار .))

(صحيح ابن خزيمه، رقم الحديث: ۲۷۸۵)

''ہر نیا ایجاد کردہ عمل بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں (لے جانے والی) ہے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں ''ہدیٰ'' کے مقابل ''احداث'' ہے، یعنی بدعت سنت کے مقابل۔ اور ہدایت اللہ عزوجل کی جانب سے ہے اور احداث، یعنی بدعت، اہل بدعت کی طرف سے۔ اور فلاح وفوز اس راستے میں ہے جو من جانب اللہ ہے۔اور جو راستہ اہل بدعت کا ایجاد کردہ ہے وہ سراسر ناکامی اور نامرادی کا راستہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر بدعت کے راستے پر چلنے والا انسان بہت بڑا گمراہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰیهُ بِغَیْرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [القصص: ۵۰]

''اس شخص سے بڑا گمراہ اور کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ کی جانب سے ہدایت کے برعکس خواہش کی پیروی کی، یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔''

سورۂ ص میں فرمایا:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾

[ص: ۲٦]

''اور خواہش کی پیروی نہ کیجیے (ورنہ) یہ (یعنی اتباع ہویٰ) تجھے اللہ کی راہ سے ہٹا دے گا۔''

ان دونوں آیات سے واضح ہوا کہ ہدایت، دین اور شریعت من جانب اللہ ہے اور ہویٰ، یعنی اپنی خواہش اور پسند سے ایجاد کردہ امور گمراہی کا باعث ہیں۔اور بدعات بھی ایسے ہی عمل ہوتے ہیں جنھیں اہل بدعت اپنی مرضی سے اختراع کرکے انھیں دینی اور شرعی عمل سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرکے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔اور جس عمل کو آدمی

نیکی اور ثواب جان کر کرے تو پھر اس عمل سے رجوع اور ترک کی امید نہیں کی جاسکتی، اس لیے بدعتی انسان کو توبہ کرنے کی توفیق نہیں ملتی جیسا کہ پہلے مجمع الزوائد کے حوالے سے حدیث لکھی جا چکی ہے، اس لیے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"البدعة أحب إلى أبليس من المعصية، المعصية يتاب منها والبدعة لا يتاب منها."

(شرح السنة: ۱/ ۱۴۸)

"ابلیس کو معصیت سے زیادہ بدعت محبوب ہے کیونکہ معصیت سے توبہ کی جاتی ہے جبکہ بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی۔"

اس لیے کہ بدعتی حضرات بدعت کو حسنہ اور کارِ ثواب جان کر کرتے ہیں جبکہ بدعت خواہ کتنی ہی اچھی دکھائی دے وہ پھر بھی بدعت ہی ہوتی ہے جو جنت سے محرومی کا باعث قرار پاتی ہے۔

الهم أرنا السنة سنة وارزقنا اتباعه وأرنا البدعة بدعة وارزقنا اجتنابه. آمين

جواب سوال نمبر۴:

اسلام میں پورے سال کے اندر عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے سوا کوئی عید ہے اور نہ کوئی اسلامی تہوار جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

قدم رسول الله المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما فقال: ((ما هذان يومان؟)) قالوا: نلعب فيهما في الجاهلية، فقال: ((إن الله قد أبدلكم بهما خيرا منهما: يوم الأضحى ويوم الفطر.)) (سنن أبي داود مع عون المعبود: ۱/ ۴۴۱ وسنن نسائي: ۱/ ۱۸۶ وجامع ترمذي)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت اہل مدینہ سال میں دو دن (نو روز اور مرجان) کھیلتے کودتے تھے (یعنی یہ ان کے خوشی کے دن تھے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ صحابہ نے عرض کی کہ ہم زمانہ جاہلیت سے ان دنوں کو مناتے چلے آرہے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان دو تہواروں کے بدلے میں دو بہترین دن عطا فرمائے ہیں، وہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن ہیں۔"

((إن الله قد أبدلكم بهما خيرا منهما)) کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ اسلامی عیدیں فقط دو ہیں، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام اور امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہم کسی بھی حنفی فقیہ اور محدث نے اپنی کسی کتاب میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے سوا کسی تیسری عید یا اسلامی تہوار، یعنی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کا کوئی باب نہیں باندھا اور نہ اس کی نشان دہی فرمائی ہے جیسا کہ ان اوّلین فقہاء احناف کا فقہی سرمایہ ہمارے اس دعوے پر بطور شاہد عدل آج بھی موجود ہے۔ (باقی آئندہ)



تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ۲

مسئلہ ایصالِ ثواب کا تحقیقی جائزہ

ایصالِ ثواب کی جائز اور ناجائز صورتیں

حافظ صلاح الدین یوسف، مدیر شعبۂ تحقیق وتالیف، دارالسلام، لاہور

۲۔ انسان کے اچھے یا برے عمل کا صلہ اور صدقات جاریہ:

انسان نے زندگی میں ایسے کام کیے ہوں جن کے اثرات وفوائد اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہیں تو ان فیوضات جاریہ کا ثواب مرنے کے بعد بھی اسے پہنچتا رہے گا۔ اسی طرح اگر ایسے برے کام کیے ہوں گے جو محض اس کی کوششوں کی وجہ سے جاری ہوئے ہوں تو ان کا گناہ بھی مسلسل اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا، جیسے حدیث میں ہے کہ جو بھی قتل ناحق ہوتا ہے تو قاتل کے ساتھ ساتھ اس کا گناہ آدم کے بیٹے (قابیل) کو بھی ملتا ہے جس نے سب سے پہلے اپنے بھائی (ہابیل) کو ناحق قتل کر کے اس ظالمانہ رسم کا آغاز کیا۔(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٨٦٧)

اسی طرح یہ حدیث ہے:

((من سن في الإسلام سنة حسنة فعمل بها بعده كتب له مثل أجر من عمل بها ولا ينقص من أجورهم شيء، ومن سن في الإسلام سنة سيئة فعمل بها بعده كتب عليه مثل وزر من عمل بها ولا ينقص من أوزارهم شيء.))

''جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس کو اس شخص کی مثل اجر ملے گا جس نے اس پر عمل کیا، ان کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس پر اس کی مثل گناہ کا بوجھ پڑے گا جس نے اس پر عمل کیا، ان کے بوجھوں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٠١٧)

یہاں ((من سن)) میں ''سن''، جو ''استنان'' سے ہے، ''اختراع'' اور ''ابتداع'' کے معنی میں نہیں ہے کہ جس نے اسلام میں کوئی نیا کام نکالا یا نیا طریقہ ایجاد کیا تو اس نے اچھا کیا، یعنی بدعتِ حسنہ کی ایجاد اچھا فعل ہے جیسا کہ اہل بدعت اس کا یہی مفہوم لے کر بدعت حسنہ کا جواز بیان کرتے ہیں۔ بلکہ اس کے معنی ہیں کہ اس نے ایسے عمل میں پہل کی جو شریعت سے ثابت ہے یا کسی ایسی جگہ پر اس عمل کو سرانجام دیا کہ وہاں پہلے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا۔ اس کے کرنے پر لوگوں کو ترغیب ملی اور انھوں نے بھی اس کو اختیار کر لیا۔ یا کسی جگہ کوئی سنت متروک تھی۔ کسی ایک شخص کے عمل کرنے سے دوسرے لوگوں نے بھی اس سنت کو اپنا لیا۔ ان تمام صورتوں میں کسی بھی ثابت شدہ نیک عمل کا آغاز کرنے والے، سنتِ متروکہ زندہ کرنے والے اور فراموش شدہ نیکیوں کو یاد کرانے والے کو ان تمام لوگوں کے عمل کا اجر بھی ملے گا جو اس کے بعد ان پر عمل کریں گے۔ اسی طرح کسی نے اس کے برعکس برائی میں پہل کی یا اس کا کسی جگہ آغاز کیا تو بعد میں اس کو دیکھ کر اس برائی کے مرتکبین کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنے یا آغاز کرنے والے کو ملے گا۔ اس مفہوم کی تائید درج ذیل وجوہ سے ہوتی ہے:

۱۔ اس فرمان رسول ((من سن...... إلخ)) کے سیاق اور پس منظر سے یہ مفہوم بالکل واضح ہے۔ آپ ﷺ نے یہ ارشاد اس موقعے پر فرمایا تھا جب کچھ اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے جن پر تنگ دستی اور ضرورت مندی کے آثار ظاہر تھے تو آپ ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر لوگوں کو صدقے کی ترغیب دی تاکہ ان کی کچھ مدد ہو سکے لیکن لوگوں نے اس معاملے میں تساہل اور سُستی کا مظاہرہ کیا جس کے اثرات آپ ﷺ کے چہرے پر بھی نظر آرہے تھے۔ پھر ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ چاندی کی ایک تھیلی لایا، پھر دوسرا آیا حتی کہ پھر ایک قطار لگ گئی، یہ دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک اُٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا......الخ۔''

اس سیاق میں ''اچھا طریقہ نکالنے'' سے مراد بدعت کی ایجاد نہیں بلکہ اسلام میں ثابت شدہ مسئلے میں پہل کرنا ہے جس سے لوگوں کو ترغیب ملے۔

صدقہ کرنا اچھا عمل ہے، اسلام نے اس کی ترغیب دی ہے۔ اس انصاری صحابی نے صدقہ کرنے میں پہل کی تو آپ ﷺ نے اس کو اچھا طریقہ نکالنے سے تعبیر فرمایا، اس لیے کہ دوسرے لوگ اس میں متامل تھے، اس کو دیکھ کر دوسروں کو ترغیب ملی اور وہ بھی صدقہ کرنے لگے۔ آپ ﷺ کے اس فرمان سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ اسلام میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے کی اجازت دے رہے ہیں۔

۲۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من تبعه لا ينقص ذلك من أجورهم شيئا، ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الإثم مثل آثام من تبعه، لا ينقص ذلك من آثامهم شيئا.)) (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۱۰۷)

''جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو ان لوگوں کی مثل اجر ملے گا جو اس ہدایت کے راستے کو اختیار کریں گے، ان میں سے کسی کے اجر میں یہ امر کمی نہیں کرے گا۔ اور جس نے کسی کو گمراہی کی طرف بلایا تو اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جو اس برائی کو اختیار کرنے والے ہوں گے، یہ امر ان میں سے کسی کے گناہوں میں کمی نہیں کرے گا۔''

یہ حدیث ((من سن في الإسلام سنة حسنة ...... إلخ)) کے ہم معنی ہے۔ ان دونوں کو سامنے رکھ ان کا مفہوم و مطلب متعین کیا جائے گا، اسی لیے صحیح مسلم میں ان کو ایک ہی باب میں ذکر کیا گیا ہے اور باب کا عنوان ہے:

"باب من سن سنة حسنة أو سيئة ومن دعا إلى هدى أو ضلالة."

''اس کا بیان جس نے کوئی اچھا یا برا طریقہ نکالا اور اس کا جس نے ہدایت یا گمراہی کی طرف بلایا۔''

اس باب سے اور اس میں دونوں حدیثیں ذکر کر کے امام صاحب نے یہ مفہوم سمجھا دیا کہ سنت حسنہ نکالنے سے مراد ہدایت کی طرف بلانا ہے اور سنتِ سیئہ نکالنے کا مطلب گمراہی کی دعوت دینا ہے، اس لیے کہ حسنہ کیا ہے اور سیئہ کیا ہے یا بالفاظ دیگر ہدایت کیا ہے اور برائی کیا ہے، اس کا تعین انسانی عقل نہیں کر سکتی۔ یہ صرف اور صرف شارع کا کام ہے۔ جب کسی بھی شخص کو، چاہے وہ کتنا بھی عالم، فاضل، دانشور اور محقق ہو، یہ حق ہی حاصل نہیں ہے کہ وہ محض اپنی عقل وفہم سے کسی عمل کی بابت یہ کہہ سکے کہ یہ نیکی ہے اور یہ بُرائی ہے یا یہ ہدایت ہے اور یہ گمراہی ہے۔ یہ فیصلہ صرف نصوص شریعت اور اصول شریعت ہی کی روشنی میں کیا جائے گا۔ تو پھر کسی کو بھی دین میں نیا طریقہ ایجاد کرنے کا حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے!

۳: اسی لیے اہل باطل کے استدلال کے غلط ہونے کی ایک تیسری وجہ یہ ہے کہ حسنہ اور سیئہ کی وضاحت صرف اللہ یا اس کا رسول ہی کر سکتا ہے، کسی کی عقل یہ فیصلہ نہیں کر سکتی۔ بنابریں ((من سن سنة حسنة)) کے معنی اپنی طرف سے دین میں نیا کام نکالنے کے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اس کا مطلب لازمی طور پر ثابت شدہ سنت حسنہ کی پیروی یا اس کا زندہ کرنا اور اس کو فروغ دینا ہی ہوگا۔

۴: نبی ﷺ نے جب یہ فرمادیا: ((كل بدعة ضلالة)) ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' پھر کوئی بھی بدعت کس طرح حسنہ ہوسکتی ہے؟ اگر ((من سنة حسنة)) کا مطلب بدعت حسنہ ایجاد کرنا ہے اور اس میں آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے تو پھر آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ہر بدعت گمراہی ہے، کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟ پھر تو یہ دونوں حدیثیں ایک دوسرے سے متصادم ٹھہریں گی، ایک میں بدعت سازی کی اجازت ہے اور دوسری میں ممانعت۔ کیا فرمانِ رسول میں یہ تضاد اور تصادم ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں ہوسکتا۔ احادیث رسول میں باہم تضاد یا تصادم نہیں، یہ محض لوگوں کا حزبی تعصب اور بدعت سازی کا شوقِ فراواں ہے جس کی وجہ سے وہ احادیثِ رسول کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کی بجائے ان میں تضاد پیدا کررہے ہیں۔ هداهم الله تعالى

بہرحال زیر بحث الفاظِ حدیث ((من سنة حسنة)) سے مراد سنت متروکہ کا اِحیایا کسی امر مشروع کا اِجراء یا کسی عمل صالح کا ایسی جگہوں پر نفاذ ہے جہاں لوگ اس کو فراموش کیے ہوئے ہوں اور اس کی تجدید و یاددہانی سے لوگ اس پر عمل شروع کردیں۔ یا جیسے کسی مسلمان گھرانے میں، مثلاً: پردے کا رواج ختم ہوگیا ہو، کسی اللہ کے بندے کی کوشش سے وہاں کی خواتین پھر پردے کا اہتمام شروع کردیں۔ یا حکمران اور حُکامِ اعلیٰ اپنے دائرۂ اثر و اقتدار میں دینی امور کی تنفیذ کریں اور پھر لوگ ان پر عمل کرنا شروع کردیں، وعلیٰ ہٰذا القیاس اس قسم کی دیگر صورتیں ہیں جن سے مقصود لوگوں کے اندر دین کا شوق اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہو۔ ان مساعیِ حسنہ کے نتیجے میں جو لوگ ہدایت کا راستہ اپنائیں گے، بدعات کو چھوڑ کر سنت پر عمل کریں گے، بے دینی اور بدعملی والی زندگی کی بجائے متقیانہ زندگی اختیار کریں گے ان کا اجر اُن کو تو ملے گا ہی لیکن جو شخص ان کی ہدایت کا ذریعہ بنے گا، اس کو بھی ان سب کا اجر ملے گا۔ اسی طرح جو کسی برائی کا سبب بنے گا تو اس کی جہد و کاوش سے جتنے لوگ بھی برائی کا راستہ اپنائیں گے، ان سب کے گناہ میں برائی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی برابر کا شریک ہوگا۔

یہ حدیث ((من سن سنة حسنة أو سيئة...... إلخ)) کا وہ صحیح مفہوم ہے جو دیگر دلائل شرعیہ کے موافق اور ہم معنی ہے۔ اس میں اتباعِ شریعت، تنفیذِ شریعت اور ترغیبِ شریعت کا بیان ہے، نہ کہ (نعوذ باللہ) شریعت سازی اور متوازی دین گھڑنے کی اجازت، جیسا کہ اہلِ بدعت اس سے یہ جواز کشید کرنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ قاتلهم الله أنى يؤفكون.

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ بھی حدیث ((من سن ...... إلخ)) اور ((من دعا إلى هداية ...... إلخ)) دونوں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''هذان الحديثان صريحان في الحث على استحباب سن الأمور الحسنة و تحريم سن الأمور السيئة و أن من سن سنة حسنة كان له مثل أجر كل من يعمل بها إلى يوم القيامة و من سن سنة سيئة كان عليه مثل وزر كل من يعمل بها إلى يوم القيامة و أن من دعا إلى هدى كان له مثل أجور متابعيه أو إلى ضلالة كان عليه مثل آثام تابعيه ، سواء كان ذلك الهدى والضلالة هو الذى ابتدأه أم كان مسبوقا إليه و سواء كان ذلك تعليم علم أو عبادة أو أدب أو غير ذلك.''

(شرح صحيح مسلم للنووي: ٦/ ٣٤٥، ٣٤٦)

''یہ دونوں حدیثیں اس امر کی ترغیب میں صریح ہیں کہ امور حسنہ کا جاری کرنا مستحب اور امور سیئہ کے طریقے ایجاد کرنا حرام ہے۔ اور جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کو ان تمام لوگوں کی مثل اجر ملے گا جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے اور جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اُن تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جو قیامت تک اس پر

عمل کریں گے اور جس نے ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کی مثل اجر ملے گا جو اس ہدایت کی پیروی کریں گے، اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس پر اُن تمام لوگوں کے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا جو اس گمراہی کی پیروی کریں گے۔ چاہے وہ ہدایت اور گمراہی ایسی ہو کہ سب سے پہلے (اس جگہ پر) اسی نے اس کا آغاز کیا ہو یا وہ ایسی ہو کہ پہلے بھی اس کا ارتکاب کرنے والے موجود ہوں۔ اسی طرح چاہے اس کا تعلق علم سکھانے، عبادت سکھانے یا ادب وغیرہ سکھانے سے ہو۔''

بہرحال مذکورہ دونوں حدیثیں اس امر میں واضح ہیں کہ نیکی پھیلانے والے کا اجر مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا اور اس کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح اس کے برعکس برائیوں کو فروغ دینے والے کے نامۂ اعمال میں گناہوں کا اضافہ اس کے مرنے کے بعد بھی ہوتا رہے گا۔ گویا اِیصالِ ثواب اور ایصالِ عذاب کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اب یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ زندگی میں دعوتِ خیر اور اِیصالِ اجر (ثواب) کا راستہ اپنائے رکھے یا دعوتِ شر اور اِیصالِ شر کا راستہ اپنائے رکھے۔

اسی طرح مشہور حدیث ہے:

((إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٦٣١)

''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین چیزیں جاری رہتی ہیں: (۱) صدقۂ جاریہ، (۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے، (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔''

اس حدیث کی بنیاد بھی یہی ہے کہ زندگی میں اس نے ایسے اعمال کیے ہوں جن کا سلسلۂ فیض اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہے تو اس کا اجر بھی اسے برابر ملتا رہے گا۔ صدقۂ جاریہ (مسجد و مدرسہ کی تعمیر، کنواں یا پانی کی سبیل یا پانی کی موٹر وغیرہ لگوانا) اس کا اپنا عمل ہے لیکن ایسا عمل جو مرنے کے ساتھ ہی ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی جاری ہے۔ دینی علوم کی تعلیم و تدریس یا ان کی توضیح و تشریح اس کا اپنا عمل ہے۔ جب تک اس کے شاگرد یا کتابیں موجود رہیں اور ان سے لوگ فیض یاب ہو رہے ہوں تو اسے اجر و ثواب ملتا رہے گا۔ اولاد کی صحیح تربیت کر کے انھیں صالح بنانا، اس کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جب تک اس کی کاوشوں کی وجہ سے اولاد نیک رہے گی اور نیکی کے کاموں میں حصہ لیتی رہے گی اسے بھی اجر و ثواب ملے گا۔

اولاد کی بابت رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان بھی ہے، فرمایا:

((إن أطيب ما أكلتم من كسبكم، وإن أولادكم من كسبكم.))

(جامع ترمذي، رقم الحديث: ١٣٥٨)

''سب سے پاکیزہ خوراک وہ ہے جو تم اپنی کمائی سے کھاؤ اور تمھاری اولاد بھی تمھاری ہی کمائی کا حصہ ہے۔''

اس لیے اولاد کی تمام نیکیوں کا اجر علی الاطلاق (ماں) باپ کو ملے گا، اولاد ان کے لیے دعا کرے یا نہ کرے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ''دعا کرے'' کے الفاظ ترغیب کے لیے ہیں، شرط کے طور پر نہیں۔

صدقاتِ جاریہ کی مزید تفصیل:

سنن ابن ماجہ کی درج ذیل حدیث سے صدقاتِ جاریہ کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مومن کو اس کی موت کے بعد اس کے اعمال اور حسنات کا جو صلہ ملتا ہے ان میں:

- وہ علم ہے جو اس نے لوگوں کو سکھلایا اور اسے پھیلایا۔
- وہ نیک اولاد جو وہ چھوڑ گیا۔
- قرآن پاک کا نسخہ کسی کو (پڑھنے کے لیے) دے گیا۔
- کوئی مسجد بنا گیا۔
- کوئی مسافر خانہ تعمیر کر گیا۔
- کوئی نہر کھدوا گیا۔

⦿ صدقہ جو اس نے اپنی زندگی اور صحت میں دیا۔ یہ بھی اس کی موت کے بعد اس کو ملے گا۔

(سنن ابن ماجه، رقم الحديث : ٢٤٢)

۳۔ صدقہ وخیرات کرنا:

مرنے کے بعد اس کے اقارب کی طرف سے ایصال ثواب کی نیت سے صدقہ وخیرات کرنا، اس میں اگرچہ مرنے والے کا کوئی حصہ نہیں ہے لیکن چونکہ یہ احادیث سے ثابت ہے، اس لیے اِیصالِ ثواب کا یہ طریقہ بھی جائز اور مشروع ہے۔ اس میں بعض علماء نے اقارب یا صرف وارث کی شرط عائد کی ہے۔ بہت سے علماء کے نزدیک یہ موقف زیادہ صحیح اور قرآن کریم کے بیان کردہ اصول ﴿لَيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ کے مطابق ہے۔ اور حدیث کی رو سے اولاد خود انسان کی اپنی کمائی (کسب وسعی) ہے۔ علاوہ ازیں احادیث میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ بھی قریبی رشتے داروں ہی کے ہیں اور یہ ایک فطری چیز ہے کہ مرنے والے کے لیے صدقہ و خیرات کا اہتمام بالعموم اقرباء ہی کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں، اس لیے اولاد میں سے جو بھی کسی میت کے اِیصالِ ثواب کے لیے کوئی صدقہ کرے گا، میت کو اس کا ثواب پہنچے گا (بشرطیکہ حلال وطیب مال سے ہو اور عنداللہ قبول ہو جائے)، تاہم تیجہ، ساتواں، دسواں یا چہلم وغیرہ کا ثواب نہیں پہنچے گا کیونکہ یہ بدعات ہیں جو ہندوؤں کی نقالی میں مسلمانوں نے اپنائی ہوئی ہیں۔ اور ان میں رشتے داروں ہی کی لذت کام و دہن کا سامان ہے، صدقہ وخیرات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ اسلام میں صدقہ وخیرات کے لیے ایام کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ تعیین ہوگی تو وہ بدعت ہے اور بدعت میں ثواب نہیں، گناہ ہے تو میت کو ثواب کس طرح پہنچے گا؟ ثواب تو اللہ نے دینا ہے اور اللہ ثواب تب ہی دے گا جب وہ اس کے نمائندے، یعنی رسول اللہ ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق کام ہوگا نہ کہ خود ساختہ رسومات اور خانہ ساز بدعات پر۔

صدقے کا مطلب:

اللہ کی رضا کے لیے بغیر کسی دن کی تعیین کے، غرباء و مساکین کی ضروریات کو پورا کرنے کا نام صدقہ ہے۔ انھیں اگر کھانے کی ضرورت ہے تو انھیں کھانا مہیا کیا جائے، لباس کی ضرورت ہے تو ان کی تن پوشی کا اہتمام کیا جائے، وہ علاج کے ضرورت مند ہیں تو ان کے لیے دوا دارو کا انتظام کیا جائے، انھیں شادی کی ضرورت ہے تو اس میں ان کے ساتھ تعاون کیا جائے، کاروباری مشکلات ہیں تو ان میں ان کو سہارا دیں، اور علاوہ ازیں دین کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا جائے وغیرہ۔

۴۔ میت کے ذمے قرض کی ادائیگی ضروری ہے:

ورثاء، یعنی اولاد کے لیے ضروری ہے کہ اگر میت کے ذمے واجب الادا قرض ہے تو تو سب سے پہلے وہ اس کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔ اگر اولاد اس کی استطاعت نہیں رکھتی تو کوئی بھی شخص یہ کام کر سکتا ہے۔ احادیث میں اس کی صراحت ملتی ہے اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فائدہ میت کو پہنچتا ہے، ورنہ اس کی مغفرت کا معاملہ قرض کی ادائیگی تک معلق رہتا ہے حتی کہ شہید کے ذمے بھی جو قرض ہے جب تک اسے ادا نہ کر دیا جائے اس کی مغفرت غیر یقینی ہے۔

میت کے ذمے فرائض کی ادائیگی کا حکم:

احادیث میں دو چیزوں کا مزید ذکر ہے: ایک میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا اور دوسرا حج کرنے کا اور یہ متفق علیہ روایات ہیں، یعنی صحیح بخاری و مسلم میں بیان ہوئی ہیں، اس لیے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔

۵۔ میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا مسئلہ:

روزہ رکھنے کی روایات دو طرح سے مروی ہیں: ایک میں مطلقاً روزے کی بابت سوال کیا گیا، پوچھنے والے نے پوچھا کہ میت کے ذمے ایک مہینے یا پندرہ دن کے روزے ہیں، کیا وہ رکھے جائیں؟ نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''اگر اس کے ذمے کسی کا قرض ہوتا تو تم ادا کرتے؟'' اس نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میت کے ذمے اگر روزے ہیں تو یہ اللہ کا قرض ہیں، انھیں ادا کرنا دنیاوی

قرضوں سے زیادہ اہم ہے۔'' اور بعض روایات میں ہے کہ میت کے ذمے نذر کے روزے ہیں، آپ ﷺ نے انھیں پورا کرنے کا حکم فرمایا۔(صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٩٥٢، ١٩٥٣، وصحيح مسلم، رقم الحديث: ١١٤٧، ١١٤٨)

بعض علماء نے ان احادیث کی بنا پر میت کی طرف سے اس کے قضا شدہ یا نذر کے روزے رکھنے کا جواز تسلیم کیا ہے، اور بعض علماء کے خیال میں اس سے مراد صرف نذر کے روزوں کی قضا ہے، یعنی انھوں نے روزوں کی قضا سے متعلق روایت کو نذر کی صراحت والی روایت کے ساتھ خاص کر دیا ہے، چنانچہ شیخ البانی رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی درج ذیل روایت:

((من مات و عليه صيام، صام عنه وليه .))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٩٥٢)

''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔''

کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

"والأرجح أن ذلك في صوم النذر، وأما صوم رمضان فلا ."

(تعليقات رياض الصالحين، ص: ٦٢٧)

''زیادہ راجح بات یہ ہے کہ قضا کا یہ حکم نذر کے روزوں سے متعلق ہے، رمضان کے روزوں کی قضا ضروری نہیں ہے۔''

شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ روزہ بدنی عبادت ہے، اس میں نیابت جائز نہیں، جب زندگی میں نیابت کی گنجائش نہیں ہے تو مرنے کے بعد اس کا جواز کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اس موقف کی بنیاد پر صرف نذر کے روزے میت کی طرف سے رکھنے جائز ہوں گے کیونکہ یہ نص صریح (صحیح حدیث) سے ثابت ہیں۔

اور دوسرے علماء کے نزدیک قضا شدہ اور نذر دونوں قسم کے روزے رکھنے جائز ہیں تاہم ان کے نزدیک بھی صرف روزوں ہی کا جواز ہے، کوئی اور بدنی عبادت میت کی طرف سے نہیں کی جا سکتی، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لأن الأصل عدم النيابة في العبادة، ولأنها عبادة لا تدخلها النيابة في الحياة فكذلك في الموت إلا ما ورد فيه الدليل فيقتصر على ما وردفيه ويبقى الباقي على الأصل وهذا هو الراجح ." (فتح الباري: ٤/ ٢٤٧، مطبوعه دارالسلام، الرياض)

''بدنی عبادت میں اصل یہ ہے کہ اس میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ اور روزہ عبادت ہے، اس میں زندگی میں نیابت کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح موت میں (مرنے کے بعد) بھی نہیں ہوسکتی سوائے اس صورت کے جس کی بابت کوئی دلیل ہو، پس جس کی بابت دلیل وارد ہوگی نیابت اس صورت تک ہی محدود ہو گی اور باقی عبادات اپنی اصل پر باقی رہیں گی (یعنی ان میں نیابت جائز نہیں ہو گی) یہی بات راجح ہے۔''

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کا موقف:

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلے پر خاصی تفصیل سے بحث کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول رائے کو اعدل الاقوال (سب سے بہتر قول) قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ان سے پوچھا گیا: ایک شخص فوت ہوگیا، اس کے ذمے ایک مہینے کے نذر کے روزے تھے اور رمضان کے روزے بھی تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"أما رمضان فليطعم عنه وأما النذر فيصام ."

''رمضان کے روزوں کا اس کی طرف سے فدیہ دیا جائے اور نذر کے روزے رکھے جائیں۔''

اسی مفہوم کے بعض اور آثارِ صحابہ نقل کرنے کے بعد امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہ رائے دلیل اور قیاس کے مطابق ہے اس لیے کہ نذر

شریعت کی طرف سے واجب کردہ چیز نہیں ہے، اس کو خود بندہ اپنے اوپر واجب کرتا ہے، اس اعتبار سے نذر کی حیثیت ایک قرض کی ہوجاتی ہے جو انسان کسی سے لیتا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بھی حدیث ابن عباس میں اس کی بابت سوال پر اسے قرض ہی سے تشبیہ دی اور دَین (قرض) ایسی چیز ہے کہ اس میں نیابت (کسی اور کی طرف سے ادائیگی) جائز ہے لیکن (رمضان کے وہ) روزے جو اللہ نے فرض قرار دیے ہیں، اور وہ اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن ہے، اس میں کسی صورت میں بھی نیابت کا دخل نہیں ہوسکتا، جس طرح نماز اور توحید و رسالت کی گواہی میں نیابت کا دخل نہیں۔ اس لیے کہ ان سے مقصود بندے کا بذاتِ خود رب کی عبادت کرنا ہے اور حق عبودیت کی ادائیگی ایسا فریضہ ہے جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور اس کا اس کو حکم دیا گیا ہے اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ اس کی طرف سے کوئی اور اسے ادا نہیں کرسکتا۔ جیسے کوئی شخص کسی اور کی طرف سے اسلام قبول نہیں کرسکتا نہ اس کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور اسی طرح کوئی شخص قدرت رکھنے کے باوجود جان بوجھ کر حج نہیں کرتا حتی کہ فوت ہوجاتا ہے۔ یا زکاۃ ادا نہیں کرتا اور اس کی ادائیگی کے بغیر ہی مرجاتا ہے تو دلیل اور قواعد شریعت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی طرف سے اس کے مرنے کے بعد نمازیں ادا کرنا، حج کرنا اس کو اس فریضے سے بریء الذمہ کریں گے، نہ اس کی طرف سے یہ قبول ہی کیے جائیں گے۔ اور حق اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔“

(مختصر المنذري: ٣/ ٢٨١، ٢٨٢)

اس اصول کی رو سے میت کی طرف سے صرف نذر کے روزے رکھنے ضروری ہیں یا بقول بعض رمضان کے فرض روزوں کی قضا یا فدیہ جائز ہوگا، اس کے علاوہ میت کی طرف سے کوئی اور بدنی عبادت کرنا جائز نہیں ہوگا اور یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ چونکہ ایک عبادت کا میت کی طرف سے کرنا ثابت ہے تو دوسری عبادات بھی اس کی وجہ سے صحیح ہوں گی۔ عبادات میں اس قسم کے قیاس کی گنجائش نہیں۔ عبادات توقیفی ہیں، یعنی شریعت کی طرف سے مقرر ہیں ان میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرنا جائز نہیں ہے۔

ملحوظہ:

خیال رہے کہ روزے صرف اس کی طرف سے رکھنے ضروری ہوں گے جو قدرت رکھنے کے باوجود روزے نہ رکھ سکا ہو۔ اگر شدید بیماری کی وجہ سے کسی کے فرضی روزے رہ گئے ہوں اور وہ اسی بیماری کی حالت میں فوت ہوجائے تو ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة:٢٨٦) کے تحت اللہ اس کو ویسے ہی معاف فرما دے گا۔ روزے اس کے ذمے متصور ہی نہ ہوں گے۔ (المحلى لابن حزم، رقم المسألة: ٧٧٦، وفقه السنة: ١/ ٣٩٨)



تحقیق وتنقید

قسط نمبر ①

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں

لفظی ومعنوی تحریف کی ناکام کوشش

مولانا عبدالرحمٰن ضیاء حفظہ اللہ

یہ بات جان رکھیں کہ جس شخص نے بھی رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھا، خواہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہو یا آپ ﷺ کی وفات کی بعد کسی بھی زمانے میں ہو، اللہ تعالی نے اس کا پردہ نہیں رہنے دیا بلکہ اس کا حال لوگوں کے سامنے ضرور واضح کر دیا۔ آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے فرامین عالیہ میں کوئی شخص تحریف اور تبدیلی کا ارتکاب کرے، اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت کو کبھی مخفی نہیں رہنے دیا، چنانچہ محدث سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

"ما ستر الله أحدا يكذب في الحديث."

یعنی جو بھی حدیث میں کذب بیانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے کبھی اس کی پردہ پوشی نہیں کی۔

اور محدث عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لو هم رجل في السحر أن يكذب في الحديث، لأصبح والناس يقولون: فلان كذاب."

یعنی اگر کوئی شخص سحری کے وقت حدیث شریف میں جھوٹ بولنے کا قصد کرلے تو صبح کے وقت ہی لوگ یہ کہہ رہے ہوں گے کہ فلاں (حدیث میں جھوٹ بولنے والا) شخص کذاب ہے۔ (دیکھیں شرح العقيدة الطحاوية لعلامه ابن أبي العزالحنفي، ص: ٥٠٢ بتحقيق و تعليق الدكتور عبدالله بن عبد المحسن تركي والشيخ شعيب الأرنؤوط)

آمدم برسر مطلب:

حال ہی میں ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ''گستاخ کون؟ راولپنڈی میں ہونے والا تاریخی مناظرہ'' نامی ایک کتاب چھپی ہے جو مفتی محمد حنیف قریشی بریلوی اور سید طالب الرحمٰن شاہ صاحب کے مابین ہونے والے مناظرے کی تحریری شکل ہے جسے سید امتیاز حسین شاہ کاظمی ضیائی بریلوی نے ترتیب دیا ہے۔ کاظمی ضیائی صاحب نے اس کتاب کے مختلف مقامات پر فٹ نوٹ بھی لکھے ہیں جن میں سے زیادہ تر ان کے مناظر مفتی محمد حنفی قریشی بریلوی کے ''افادات'' ہی ہیں جیسا کہ اس کی وضاحت انھوں نے اسی کتاب کے ص ۴۰ پر خود کی ہے۔

اب یہ بات تو اہل علم وتحقیق کو بخوبی معلوم ہے کہ فی زمانہ قبر پرست لوگ بزرگوں کی قبروں پر لاکھوں کروڑوں کے جو قبے اور مزارات تعمیر کرتے ہیں کتاب وسنت میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ عصر حاضر میں جو مزار یا دربار تعمیر کیے جاتے ہیں ان کا اصل مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ لوگ دور دور سے ان کے نیچے بنی ہوئی قبروں میں مدفون بزرگوں سے مرادیں مانگنے، مشکلات حل کرانے کی خاطر چڑھاوے چڑھانے اور نذرانے پیش کرنے کے لیے حاضری دیں، اسی لیے ان پر سالانہ عرس بھی منائے جاتے ہیں تاکہ ان کی سرپرستی کرنے والے حضرات ''دین'' ودولت سے اپنے دامن بھرتے رہیں۔

اسی لیے ان درباروں اور مزاروں کے تحفظ کی خاطر کئی ایک جھوٹ بولے جاتے ہیں اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالی جاتی ہے اور انھیں اصل حقائق کو ان سے درِ پردہ ہی رکھا جاتا ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ ایسی لغویات رسول اللہ ﷺ کے کسی فرمان

سے ثابت نہیں، نہ ہی کسی صحابی سے ثابت ہیں، نہ ہی تابعین سے حتی کہ ائمہ اربعہ، یعنی امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم سے بھی ان کا ثبوت نہیں ہے۔ لیکن صد افسوس کہ ان درباروں اور مزاروں کو ثابت کرنے اور انھیں اسلام کا حصہ قرار دینے کی خاطر اس عظیم ہستی پر جھوٹ باندھتے بھی شرم نہیں کی جاتی جس نے یہ فرمایا ہے:

((من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.))

''جو کوئی مجھ پر عمداً جھوٹ باندے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

تحریف کا ارتکاب:

چنانچہ اسی کتاب ''گستاخ کون؟'' کے ص: ۱۵۸، ۱۵۹ پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ میں تحریف وتبدیلی کرتے ہوئے مزار و دربار بنانے کی دلیل مہیا کی ہے، کاظمی ضیائی صاحب کے الفاظ ہیں:

''مسلم شریف'' جلد اول، ص: ۱۱۷ پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((خطبنا رسول الله ﷺ فأسند ظهره إلى قبة آدم فقال: ألا لا يدخل الجنة إلا نفس مسلمة.))

رسول اللہ ﷺ نے قبۂ آدم علیہ السلام کے ساتھ ٹیک لگا کر (ہمیں) خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: آگاہ رہو! جنت میں سوائے مسلمان کے کوئی داخل نہیں ہوسکتا۔''

پھر کہتے ہیں:

''اس سے ثابت ہوا کہ قبہ گرانا واجب نہیں۔ اگر قبہ گرانا واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے سے پہلے اس قبہ کو گرانے کا حکم ارشاد فرماتے۔'' (ص:۱۵۹)

اصل حقیقت:

ہم کہتے ہیں کہ ''قبہ'' کا معنی ''ایسا چھوٹا خیمہ جو اوپر سے گول ہو'' بھی ہے، چنانچہ عربی لغت کی مشہور کتاب ''المعجم الوسیط'' میں ہے:

"أعلاها مستدير خيمة صغيرة."

یہ عرب کے اندر عام تھا، وہ سفر وحضر میں بنالیا کرتے تھے۔ مسجد نبوی کے اندر بھی بنالیا جاتا تھا۔ (دیکھیے مادہ: قبب)

عرب لوگ حج کے ایام میں منی وعرفات وغیرہ میں ایسا خیمہ بنالیا کرتے تھے۔ اور یہ خیمہ چمڑے اور کپڑے وغیرہ کا بنایا جاتا تھا۔

لفظ قبہ بمعنیٰ خیمہ کئی ایک احادیث میں وارد ہوا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی:

"فضربت فيه قبة."

''انھوں نے مسجد میں ایک قُبّہ (یعنی چھوٹا سا خیمہ) لگالیا۔''

پھر ام المومنین حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کو پتا چلا تو انھوں نے بھی ایک چھوٹا سا خیمہ لگالیا، اسی طرح ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا نے بھی ایک خیمہ لگالیا۔ آپ ﷺ نے جب صبح کے وقت فجر کی نماز پڑھائی تو مسجد میں چار خیمے دیکھے...... الخ۔

(صحيح بخاری، رقم الحديث: ۲۰۴۱)

اس حدیث میں وارد لفظ ''قُبّہ'' یا ''قِبَاب'' کا معنی چھوٹا خیمہ ہی ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اسی حدیث پر امام بخاری نے یہ باب منعقد کیا ہے:

"باب الأخبية في المسجد."

''مسجد میں (اعتکاف کے لیے) خیمے لگانے کا بیان۔''

مزید برآں راویِ حدیث امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث میں ''قبة'' کی جگہ پر ''خباء'' (خیمہ) کا لفظ استعمال کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث ''باب اعتكاف النساء'' میں بھی لائے ہیں۔ یہاں اس کے راوی حماد بن زید نے بھی ''قبة'' کی جگہ ''خباء'' کا لفظ استعمال کیا ہے بلکہ ان دونوں، یعنی امام مالک اور حماد بن زید نے ''قباب''، جو ''قبة'' کی جمع ہے، کی جگہ ''خباء'' کی جمع ''أخبية'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس حدیث میں وارد لفظ ''قبة'' کا معنی چھوٹا خیمہ ہے۔

اسی طرح ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے منی میں ایک تُرکی قُبّہ، یعنی چھوٹا خیمہ لگادیا گیا تھا تا کہ وہ عام لوگوں سے حجاب میں رہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں یہ لفظ ہیں:

"هي في قبة تركية لها ."

(صحيح بخاري، رقم الحديث : ١٦١٨)

''وہ اپنے ترکی خیمے میں ہیں۔''

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رأيت قبة حمراء من أدم لرسول الله ﷺ ."

(مسند أحمد : ٤ / ٣٠٨)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے لگایا گیا چمڑے کا سرخ رنگ کا چھوٹا سا خیمہ دیکھا۔''

ایک صحابی کا بیان ہے:

"دخل علينا رسول الله ﷺ ونحن في قبة في مسجد المدينة ...... إلخ ."

(سنن نسائي، رقم الحديث : ٣٩٨٠)

''رسول اللہ ﷺ ہم پر داخل ہوئے جبکہ ہم مدینے کی مسجد میں ایک قبے (خیمہ) میں تھے۔''

یہی وجہ ہے کہ کاظمی ضیائی صاحب کے ہم مذہب وہم فکر مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی نے صحیح مسلم کی اسی حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''ایک چمڑے کے خیمے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ ٹیک لگائے خطبہ دے رہے تھے......الخ۔''

(دیکھیے شرح صحیح مسلم: ۸۴۶/۱)

اب حدیث نبوی میں تحریف کرنے والوں سے ایک سوال ہے کہ کیا آدم علیہ السلام کا قبہ، یعنی قبر اور بقول ضیائی صاحب کے، مزار یا دربار، مسجد نبوی کے اندر تھا؟ کچھ تو سوچیے! (باقی آئندہ)



حضرت علامہ پروفیسر ساجد میر حفظہ اللہ کے لیے دعائے صحت

مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر، سینیٹر حافظ ساجد میر حفظہ اللہ گزشتہ دنوں بعارضہ قلب علیل ہوگئے۔ انھیں فوری کارڈیالوجی ہسپتال لاہور لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں نے انجیو پلاسٹی کردی ہے۔ اب الحمدللہ پروفیسر صاحب کی صحت کافی بہتر ہورہی ہے۔ چند روز کے بعد اپنے گھر سیالکوٹ منتقل ہوجائیں گے۔ ان شاء اللہ ...... قارئین الاعتصام سے موصوف کی صحت کاملہ وعاجلہ کے لیے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللھم اشفہ شفاء کاملا عاجلا (دارالدعوۃ السلفیہ، کارکنان وانتظامیہ واراکین مجلس عاملہ، شیش محل روڈ، لاہور۔)

حاجی محمد یونس قصوری کا انتقال پرملال

جماعت اہل حدیث کی نہایت شریف الطبع شخصیت محترم حاجی محمد یونس قصوری مؤرخہ ۳۰ رجنوری ۲۰۱۲ء بروز سوموار وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے پاک باز، شریف الطبع، شب زندہ دار اور تہجد گزار تھے۔ کمزوروں، بیواؤں اور حاجت مندوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ مرحوم کی نماز جنازہ مولانا عتیق اللہ سلفی نے پڑھائی۔ سینکڑوں افراد شریک ہوئے۔ ادارہ الاعتصام مرحوم کی مغفرت وبلندیِ درجات کے لیے دعا گو ہے اور قارئین سے بھی درخواست گزار ہے کہ مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین ...... (ادارہ)

حاجی محمد قاسم شرقپوری کو صدمہ

دارالدعوۃ السّلفیہ شیش محل روڈ لاہور کے معاون اور مسجد دارالدعوۃ السّلفیہ کے نمازی محترم حاجی محمد قاسم کی اہلیہ محترمہ طویل علالت کے بعد ۲۹ر جنوری بروز اتوار وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین الاعتصام سے مرحومہ کی مغفرت وبلندیِ درجات کی دعاؤں کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

جناب محمد الیاس کے گودام میں آتشزدگی

جماعت اہل حدیث شیش محل روڈ کے ساتھی محمد الیاس صاحب پیر مکی بازار والے کے گودام واقع شاہجہاں روڈ لاہور میں ۲۹ر جنوری ۲۰۱۲ء کی صبح اچانک آگ بھڑک اٹھی۔ فائر بریگیڈ نے چار گھنٹوں کی طویل جدوجہد کے بعد آگ پر قابو پایا۔ لاکھوں روپے کا سامان اور گودام کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ اللہ کریم اس نقصان کی تلافی فرمائے اور الیاس صاحب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین ...... (ادارہ)

دعائے مغفرت

محمد اسد خان لودھی کے بڑے بھائی خلیل احمد خان لودھی ۲۲ر جنوری ۲۰۱۲ء کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین دعائے مغفرت فرمائیں۔ (محمد حسن سلفی، خطیب 9-L /134 ساہیوال)

ڈاکٹر نعیم خالد کو صدمہ

الاعتصام کے معزز قاری ڈاکٹر نعیم خالد صاحب (آئی سرجن، لاہور) کے والد محترم جناب محمد دین صاحب گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین الاعتصام مرحوم کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب سے تعزیت کے لیے فون نمبر نوٹ فرمالیں۔ 0300-4214491 ...... (ادارہ)

جان پہچان

حرم کو بندۂ لات و منات کیا جانے
ثبات چیز ہے کیا؟ بے ثبات کیا جانے

بتانِ وہم و گماں ہیں خلافِ شرعِ رسولؐ
خدا کا خوف، فقیہوں کی ذات کیا جانے

کہے تو کون کہ اسلام غیر فانی ہے
سحر کے نور کو تاریک رات کیا جانے

جبیں پہ داغِ ریائی، زباں پہ مہر سکوت
فقیہ شہر فقیروں کی بات کیا جانے

جلالِ پنجۂ محمود واشگاف سہی
کمالِ ضرب اِلٰہ سومنات کیا جانے

قمار خانۂ عقل و خرد کی ذرّیت
ادائے صوم، نوائے صلٰوت کیا جانے

حرم فروش شہادت سے باخبر ہی نہیں
فقیہ شہر مقامِ حیات کیا جانے

(شورشؔ کاشمیری)